ایصالِ ثواب

جائز اور ناجائز صورتیں

معاشرے میں پائی جانے والی باطل رسومات کا رد اور قرآن وسنت
کی روشنی میں بہترین راہنمائی

قرآن خوانی

تالیف
حافظ شبیر صدیق
ریسرچ سکالر دار السلام، لاہور

تصدیر
حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ
مدیر: شعبۂ تحقیق وتالیف دار السلام، لاہور

www.KitaboSunnat.com
قرآن خوانی
ایصالِ ثواب
جائز اور ناجائز صورتیں
معاشرے میں پائی جانے والی باطل رسومات کارد اور قرآن وسنت
کی روشنی میں بہترین راہنمائی

مؤسس: مولانا حکیم محمد ادریس فاروقی رحمہ اللہ (2010-1944ء)

ایصالِ ثواب

جائز اور ناجائز صورتیں

تالیف

حافظ شبیر صدیق

ریسرچ سکالر دار السلام، لاہور

تصدیر

حافظ صلاح الدین یوسف

مدیر: شعبۂ تحقیق و تالیف دار السلام، لاہور

ناشر

مسلم پبلیکیشنز

12 عثمان غنی روڈ، سنت نگر، لاہور

042-37249678

بسم اللہ الرحمن الرحیم
اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے

فہرست

عرض ناشر

اسلام نے آ کر فرسودہ روایات، خود ساختہ پابندیوں، معاشرتی بندھنوں اور جاہلانہ تصورات سے مسلمانوں کو چھٹکارا دلا دیا تھا۔ خیر القرون کے مسلمانوں نے اس بات کی پروا نہ کی کہ ہمارے آباؤ اجداد صدیوں سے ان رسوم و رواج کو ادا کرتے آ رہے ہیں یا سب لوگ ایسا کر رہے ہیں بلکہ انھوں نے ایسے سارے بوجھ اتار پھینکے اور محض دینی تعلیمات پر عمل شروع کر دیا۔ نبی کریم ﷺ نے بھی تربیت کرتے ہوئے اس بات پر بہت زور دیا کہ دوسری اقوام کی مشابہت سے ملتِ بیضاء کو پاک صاف رکھا جائے۔

آہستہ آہستہ ان تعلیمات میں رخنے پیدا ہونے لگے سنت کی جگہ بدعت اور اسلامی اقدار و روایات کی جگہ رسوم و رواج نے لے لی۔ دنیا کے مختلف خطوں میں بسنے والے مسلمان اپنے اپنے علاقائی رسوم و رواج اور تہذیب و ثقافت کی دلدل میں پھنستے چلے گئے۔

مسلمانانِ برصغیر کو دو طرف سے یہ خمیازہ بھگتنا پڑا۔ ایک طرف تو فرنگی استعمار کی غلامی نے انھیں اپنی تہذیب کے جال میں پھنسایا۔ اسی لیے علامہ اقبال اور مولانا ظفر علی نے اپنے اشعار میں اس نئی تہذیب کی خوب خبر لی۔ دوسری طرف ہندوانہ رسوم و رواج ہماری عبادات میں شامل ہو گئے۔ تقریب عروسی ہو یا وفات اور تعزیت کے معاملات، خوشی ہو یا

غم اسلامیانِ پاکستان پر اغیار کے اثرات ہی نظر آتے ہیں۔

ایسے حالات میں ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلمانوں کے اندر یہ شعور بیدار کیا جائے کہ سب سے صاف اور روشن شریعت، سب سے عمدہ طریقے اور پسندیدہ دین سے اللہ نے انھیں نوازا ہے اس کے ہوتے ہوئے وہ کیوں دشمنانِ اسلام اور اغیار کے رسوم و رواج کو اپنائیں۔ آپ نے کبھی دیکھا کہ اغیار نے بھی کبھی مسلمانوں کی تہذیب کو اپنایا ہو یا ہمارے دینی احکام پر عمل پیرا ہوئے ہوں۔ ایک مسلمان ہی رہ گئے ہیں کہ یہ اغیار کے رسوم و رواج کو فخر سے اپناتے رہیں۔ یہ مسلمانوں کا بہت بڑا المیہ ہے۔

عموماً زندگی میں تو والدین اور اعزہ کا خیال نہیں رکھا جاتا مگر ان کے دنیا سے رخصت ہونے کے بعد بہت سے کام ''ایصالِ ثواب'' کے نام پر کیے جاتے ہیں اور بڑی آسانی سے یہ جواز پیش کیا جاتا ہے کہ یہ منع تو نہیں ہیں۔ اس کتاب میں ایسے ہی لوگوں کے دلائل کا محاکمہ اور شریعت کی روشنی میں ایصالِ ثواب کی جائز صورتیں پیش کی گئی ہیں۔ مولف ایک محقق عالم دین ہیں اور ماہنامہ ضیائے حدیث کے سب ایڈیٹر بھی ہیں۔ ان کا یہ مضمون قبل ازیں ضیائے حدیث میں قسط وار شائع ہو کر دادِ تحسین وصول کر چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ ان کی کاوشوں کو قبول فرمائے اور اس کتاب کو مسلمانوں کی اصلاح کا باعث بنائے۔ آمین۔

اکتوبر 2013ء
ذوالحجہ 1434ھ

قمرالحمید فیصل
ڈائریکٹر مسلم پبلی کیشنز، لاہور

تصدیر

حافظ شبیر صدیق ادارہ دارالسلام کے ریسرچ فیلو ہیں، آپ کے مضامین دارالسلام کے زیر اہتمام شائع ہونے والے ماہنامہ ''ضیائے حدیث'' اور دیگر جماعتی رسائل و جرائد میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔

زیر نظر مقالہ۔ایصال ثواب، جائز اور ناجائز صورتیں۔انھی فاضل نوجوان کا تحریر کردہ ہے جو اس سے قبل ''ضیائے حدیث'' میں شائع ہو چکا ہے۔

اب افادۂ عام کی غرض سے اسے کتابی شکل میں شائع کیا جا رہا ہے تاکہ اس کا دائرۂ افادیت عام اور وسیع ہو جائے۔

ہمارے معاشرے میں ایصال ثواب کے نام پر بہت سی رسومات رائج ہیں جن کا کوئی شرعی ثبوت نہیں ہے، وہ ہندوؤں سے معاشرت کے نتیجے میں جاہل مسلمانوں میں رائج ہوگئی ہیں، ان سے فوت شدگان کو تو کوئی فائدہ نہیں ہوتا کیونکہ اس کی کوئی شرعی دلیل نہیں ہے، البتہ ان رسومات میں کام و دہن کی لذت کا وافر سامان ہوتا ہے، اس لیے یہ رسومات ۔ بے دلیل ہونے کے باوجود۔ فروغ پذیر ہیں۔

فاضل مضمون نگار نے ان رسوماتِ غیر شرعیہ کا جائزہ لے کر ان کا بے ثبوت ہونا اور

غیروں کی نقالی پر مبنی ہونے کا اثبات کیا ہے اور اس کے ساتھ تصویر کا دوسرا پہلو یعنی ایصال ثواب کی جائز صورتوں کی تفصیل بھی بیان کر دی ہے تا کہ ناجائز صورتوں کو چھوڑ کر ایصالِ ثواب کی صرف جائز صورتیں ہی اختیار کی جائیں، کیونکہ فوت شدگان کو ایصالِ ثواب جائز صورتوں ہی کے ذریعے سے ممکن ہے، ناجائز صورتیں تو صرف زندوں کی لذت اندوزی کا سامان ہے اور بس، مُردوں کے نفع اور ان کی مغفرت کا ان میں کوئی پہلو نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ فاضل مؤلف کی اس کاوش کو قبول فرمائے اور اسے لوگوں کی اصلاح کا ذریعہ بنائے اور ناشرین کو بھی اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے جو اس کو عام لوگوں تک پہنچانے کا ذریعہ بنے۔ اللہ تعالیٰ سب کی کوششیں قبول فرمائے اور اس کتاب کو گم گشتگانِ بادیۂ ضلالت کے لیے ہدایت کا باعث بنائے۔ آمین۔

(حافظ) صلاح الدین یوسف

مدیر: شعبۂ تحقیق وتالیف دارالسلام لاہور

ذوالقعدہ 1433ھ، ستمبر 2012ء

تمہید

یہ ایک فطری چیز ہے کہ جب کسی شخص کا کوئی عزیز رشتہ دار یا دوست فوت ہو جاتا ہے تو وہ شخص بہت افسردہ اور رنجیدہ ہوتا ہے۔ اس شخص کے دل میں فوت شدہ آدمی کے لیے طرح طرح کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ اس وقت وہ آدمی اپنی زندگی کے گزرے ہوئے لمحات پر نظر دوڑاتا ہے اور اس فوت شدہ کے حسنات اور مہربانیوں کو یاد کرتا ہے۔ دنیا سے رخصت ہونے والے اس شخص سے زندگی میں چاہے کتنا ہی اختلاف اور ناراضی کیوں نہ رہی ہو لیکن جب وہ اس کی موت کی خبر سنتا ہے تو چونک پڑتا ہے۔ اس کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور پھر انسان اپنے آپ پر افسوس کرنے لگتا ہے۔ اور اس سے ناراضی اور قطع تعلقی پر اپنے ضمیر کو جھنجھوڑتا ہے کہ اس نے اس دنیائے فانی سے رخصت ہونے والے شخص کی زندگی ہی میں صلح کیوں نہ کر لی۔

اس اسٹیج پر انسان اپنے کیے پر بہت پشیمان ہوتا ہے کہ اس نے اس شخص کے ساتھ یہ ظلم اور زیادتی کیوں کی، وہ اپنے ان افعال پر بھی نظر دوڑاتا ہے جو اس نے اس فوت شدہ عزیز یا دوست کو اس کی زندگی میں نقصان پہنچانے کے لیے یا اس کی مخالفت کرنے کے لیے انجام دیے ہوتے ہیں۔ اب انسان ایسا راستہ تلاش کرتا ہے جس کی وجہ سے ان

گزرے ہوئے تلخ لمحات کی تلافی ہو سکے۔

اس موقعے پر کسی بھی شخص کے دل میں ایسے جذبات کا پیدا ہونا قدرتی بات ہے۔ مگر افسوس کی بات یہ ہے کہ انسان یہ سب کچھ پہلے کیوں نہیں سوچتا کہ ہر شخص کو اس دنیائے فانی سے کوچ کرنا ہے، کیوں نہ اس زندگی ہی میں آپس کے معاملات سلجھا لیے جائیں اور معافی تلافی کے معاملات اس دنیا ہی میں حل کر لیے جائیں تاکہ قیامت کے دن تمام لوگوں کے سامنے رُسوا نہ ہونا پڑے۔

ایسے ہی وہ شخص جس کے ساتھ زندگی بہت پیار محبت اور حسن سلوک سے گزری ہوتی ہے، اس کے دل میں اس فوت شدہ کے لیے محبت کے جذبات اور زیادہ ابھرتے ہیں۔ اس کے دل میں یہ تمنا پیدا ہوتی ہے کہ وہ ایسے کام انجام دے جو میرے اس عزیز کی قبر میں کشادگی اور راحت رسانی کا سبب بنیں اور اس کی برزخی زندگی پر سکون گزرے۔ انسان کے اسی فعل کا نام ایصالِ ثواب (فوت شدہ کو ثواب پہنچانا) ہے۔

اس حوالے سے ہم ایک اور گزارش کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ جب جید اور بزرگ علمائے دین میں سے کوئی عالم فوت ہو جاتا ہے اور بعد میں جب ہمیں اس عالم کے رسوخ فی العلم، زہد، ورع، تقویٰ اور دیگر محاسن کا علم ہوتا ہے تو ہمیں بہت افسوس ہوتا ہے کہ ہم نے ان کی زندگی میں ان سے ملاقات کیوں نہیں کی، ہم نے ان کے علم سے فائدہ کیوں نہیں اٹھایا، کاش ہم ان سے استفادہ کرتے۔ گویا اس عالم کے اس دنیا سے اٹھ جانے کے بعد ہمیں اس بات کا خیال آتا ہے۔ جبکہ چاہیے تو یہ کہ جو علماء بقید حیات ہیں ہم گاہے بگاہے ان سے رابطہ رکھیں، جس قدر ممکن ہو ان سے ملاقات کریں اور ان سے بھرپور استفادہ کریں۔ کیونکہ علمائے دین کا طبقہ وہ دبستان ہے کہ جہاں آنے والا ہر شخص لازمی طور پر قرآن و

حدیث کی خوشبو سے معطر ہو کر لوٹتا ہے جیسا کہ احادیث میں مثال بیان ہوئی ہے۔

بہر حال انسان اپنے فوت شدہ عزیز یا دوست کو فائدہ پہنچانے کے لیے مختلف صورتیں اختیار کرتا ہے۔ اس جذبے اور شوق کی بنیاد پر وہ غلط اور صحیح کی تمیز بھی پس پشت ڈال دیتا ہے۔ حق اور باطل کے درمیان فرق کیے بغیر وہ بہت سے ایسے کام کر بیٹھتا ہے جن کی وجہ سے نہ تو اس فوت شدہ کو کوئی فائدہ پہنچتا ہے اور نہ ہی اس فعل کے کرنے والے کو، بلکہ الٹا وہ فعل اس زندہ شخص کی خطاؤں میں اضافے کا سبب بنتا ہے۔ ہمارے موجودہ معاشرے میں ایصالِ ثواب کی بہت ساری صورتیں رائج ہیں جن میں سے اکثر کا شریعت سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ اگر شریعت کے میزان پر ان کی جانچ پڑتال کی جائے تو وہ صورتیں سراسر شریعت کے مخالف نظر آتی ہیں۔

زیر نظر کتابچے میں ہم اس بات کی وضاحت کریں گے کہ ایصالِ ثواب کی کون کون سی صورتیں جائز ہیں اور کون سی ناجائز۔ تاکہ ہم اپنے پیاروں کو اس دنیائے فانی سے جانے کے بعد صحیح طور پر فائدہ پہنچا سکیں اور اپنے اعمال کو بھی ضائع ہونے سے محفوظ رکھ سکیں۔

اس کتابچے میں جو اسلوب اختیار کیا گیا ہے وہ کچھ اس طرح ہے کہ ہم پہلے ان امور کا ذکر کریں گے جن کی وجہ سے میت کو فائدہ پہنچتا ہے، اس لیے کہ ہمارا اصل مقصود و مطلوب یہی ہے۔ اس کے بعد ان امور کا ذکر کریں گے جو عمومی طور پر لوگوں میں رائج تو ہیں مگر شریعت سے ان کا کوئی دُور کا واسطہ بھی نہیں ہے۔ ان امور کو ذکر کرنے سے ہمارا مقصد کسی پر تنقید یا کیچڑ اچھالنا نہیں بلکہ خالصتاً اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول ہے۔ سیدنا حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کی حدیث ہمارے پیش نظر ہے کہ برائی سے بچنے کے لیے اس کا علم ہونا بھی ضروری ہے، اسی لیے ہم ان امور کا تذکرہ کریں گے۔ اس کے متصل ہی ہم ان رسوم کا ذکر

کریں گے جو ہندومت میں بطورِ ایصالِ ثواب کے رائج ہیں اور مسلمانوں نے ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے بعض صورتوں کو اختیار کر رکھا ہے۔ اس سے ہمارا مقصد صرف ان امور کا تقابل ہے کہ جو مسلموں اور غیر مسلموں میں مشترکہ طور پر پائے جاتے ہیں (جبکہ شریعتِ اسلامیہ کا ان امور سے ہرگز کوئی تعلق نہیں۔) تاکہ جہالت کی وجہ سے جو لوگ ان امور بدعیہ کا شکار ہیں، وہ اپنی اصلاح کر سکیں۔

ایک ضروری وضاحت

ایصالِ ثواب کے متعلق سب سے پہلے یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ کلی طور پر کسی زندہ شخص کے عمل سے کسی فوت شدہ کو کوئی اجر و ثواب حاصل نہیں ہوتا۔ اس بارے میں قرآن کی بہت ساری آیات بطور نص ہماری راہنمائی کرتی ہیں۔ ان آیات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انسان کو صرف انھی اعمال کا بدلہ دیا جائے گا جو اس نے اپنی زندگی میں سر انجام دیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَ اَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ۝ ﴾

”اور یہ کہ انسان کے لیے صرف وہی کچھ ہے جس کی اس نے کوشش کی۔“ [1]

دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿ كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ ۝ ﴾

”ہر شخص اس کے بدلے جو اس نے کمایا، گروی رکھا ہوا ہے۔“ [2]

البتہ بعض استثنائی صورتیں ایسی ہیں کہ جن کے بارے میں نص وارد ہوئی ہے۔ اگر کوئی شخص ان صورتوں کو اپناتا ہے تو اس کو اللہ تعالیٰ سے یہ امید رکھنی چاہیے کہ اس کے ان

[1] النجم 53:39. [2] المدثر 74:38.

اعمال کا ثواب اس کے فوت شدہ عزیز رشتہ دار کو ضرور ملے گا۔

اور اسی طرح اس بات پر اجماع امت بھی ہے کہ زندہ لوگوں کے عمل سے مردہ لوگوں کو فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ صحیح مسلم کی شرح میں «باب وصولِ ثواب الصدقة عن الميت إليه» کے تحت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کردہ حدیث بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں: ''اس بات پر امت کا اجماع ہے کہ میت کی طرف سے کیے گئے صدقے کا ثواب اس کو پہنچتا ہے۔'' [1]

[1] شرح صحیح مسلم للنووی، باب وصول ثواب الصدقة.

مشرک والدین اور رشتہ داروں کے لیے ایصالِ ثواب......؟

وہ امور جن کی وجہ سے کسی شخص کے فوت ہو جانے کے بعد بھی اس کو ان کا ثواب پہنچتا ہے، ان کے جاننے سے پہلے یہ جاننا بھی اشد ضروری ہے کہ یہ فائدہ صرف اسی شخص کو پہنچے گا جو مؤحد ہوگا۔ جس نے اپنی زندگی میں کبھی شرک نہ کیا ہو یا اس سے شرک ایسے گھناؤنے جرم کا ارتکاب تو ہو گیا ہو مگر اس نے اپنی زندگی ہی میں توبہ کر لی ہو۔ اگر کوئی شخص شرک سے توبہ کیے بغیر فوت ہو جاتا ہے تو اس کو نہ تو اپنے اعمال کچھ فائدہ پہنچائیں گے اور نہ ہی کسی اور کے۔ کسی شخص کے عمل سے اس کو فائدہ پہنچنا تو درکنار، اگر کوئی اس کے حق میں دعائے مغفرت بھی کرتا ہے تو اس کا بھی اسے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ قرآن وسنت کی بہت ساری نصوص اس بات پر دلالت کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا:

﴿إِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ۗ﴾

”اگر آپ ان کے لیے ستر بار بھی بخشش کی دعا کریں گے تب بھی اللہ انھیں ہرگز نہ بخشے گا۔ یہ اس لیے کہ بے شک انھوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا۔“[1]

[1] التوبۃ 9:80.

گویا کہ کفار و مشرکین اور منافقین کے لیے نبی ﷺ کا مغفرت کی دعا کرنا بھی ان کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«اسْتَأْذَنْتُ رَبِّی اَنْ أَسْتَغْفِرَ لِأُمِّی فَلَمْ یَأْذَنْ لِي»

''میں نے اپنے رب سے اپنی والدہ کے لیے مغفرت کی دعا کرنے کی اجازت طلب کی تو میرے رب نے مجھے اس بات کی اجازت نہیں دی۔''[1]

چونکہ نبی ﷺ کے والدین زمانہ جاہلیت ہی میں وفات پا چکے تھے اور اس وقت لوگ دین ابراہیمی سے کوسوں دور تھے۔ وہ بت پرستی کا شکار ہو چکے تھے۔ اسی لیے امام نووی رحمہ اللہ صحیح مسلم کی شرح میں اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں: اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ کفار کے لیے استغفار کرنے کی ممانعت ہے۔

جس طرح مشرک والدین یا دیگر مشرکین کے لیے دعا کرنے کی ممانعت ہے اسی طرح کوئی اور کام جو ایصالِ ثواب کی نیت سے کیا جائے وہ بھی ممنوع ہے جیسا کہ سنن ابی داؤد میں «بَابُ مَاجَاءَ فِي وَصِيَّةِ الْحَرْبِيِّ يُسْلِمُ وَلِيُّهُ أَيَلْزَمُهُ اَنْ يُنْفِذَهَا» کے تحت حدیث ہے۔ عاص بن وائل، جو کافر اور مشرک تھے، نے یہ وصیت کی کہ ان کی طرف سے ایک سو غلام آزاد کیے جائیں۔ ان کے ایک بیٹے ہشام نے اپنے والد کی طرف سے پچاس غلام آزاد کر دیے اور باقی پچاس غلام ان کے دوسرے بیٹے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو آزاد کرنے تھے۔ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے کہا: میں اس وقت تک غلام آزاد نہیں کروں گا جب تک ان کے بارے میں نبی ﷺ سے سوال نہ کرلوں۔ جب عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے اس بارے میں سوال کیا کہ میں اپنے والد کی طرف سے پچاس غلام آزاد

[1] صحیح مسلم، الجنائز، باب استئذان النبی ﷺ ربه فی زیارة قبر أمه، حدیث: 976.

کروں یا نہ کروں تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّهُ لَوْ كَانَ مُسْلِمًا فَاعْتَقْتُمْ عَنْهُ، أَوْ تَصَدَّقْتُمْ عَنْهُ، أَوْحَجَجْتُمْ عَنْهُ، بَلَغَهُ ذَالِكَ»

''اگر تمھارا باپ مسلمان ہوتا پھر تم اس کی طرف سے غلام آزاد کرتے، صدقہ کرتے یا اس کی طرف سے حج کرتے تو اس کا ثواب تمھارے باپ کو پہنچ جاتا۔'' [1]

مذکورہ نصوص کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مغفرت کی دعا یا ایصالِ ثواب کی نیت سے کوئی بھی کام صرف اسی شخص کی طرف سے ہوسکتا ہے جو کافر یا مشرک نہ ہو۔ اگر کوئی شخص اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہو مگر اس کی موت شرک پر ہوئی ہو تو اس کے لیے بھی ایصالِ ثواب کا کوئی کام نہیں کیا جا سکتا۔ واللہ اعلم

البتہ اس بات کی وضاحت کر دیں کہ اگر کسی شخص کے والدین اس کے بچپن ہی میں فوت ہو گئے ہوں اور اس کو صحیح علم نہ ہو کہ ان کی وفات عقیدہ توحید پر ہوئی ہے یا شرک کی حالت میں، تو ایسے شخص کے لیے یہی حکم ہے کہ وہ اپنے والدین کے بارے میں حسنِ ظن رکھتے ہوئے ان کی طرف سے ایصالِ ثواب کے کام انجام دے سکتا ہے، واللہ اعلم بالصواب.

[1] سنن أبي داود، الوصايا، باب ماجاء في وصية الحربي يسلم وليه أيلزمه أن ينفذها، حديث: 2883.

وہ امور جن سے میت کو فائدہ پہنچتا ہے

زیر نظر عنوان کے تحت ہم پہلے ان امور کو ذکر کریں گے جو میت نے خود اپنی زندگی میں انجام دیے ہوں اور فوت ہونے کے بعد ان کا ثواب میت کو پہنچتا رہتا ہے۔ اس کے بعد ہم وہ اعمال ذکر کریں گے جو میت کی اولاد یا اس کے عزیز و اقارب انجام دیتے ہیں اور ان کا اجر میت کو پہنچتا ہے۔ ان شاء اللہ العزیز.

صدقہ جاریہ اور علم نافع

اگر کوئی شخص اپنی زندگی کے اندر کوئی ایسا کام کر جاتا ہے کہ جس سے اس کی وفات کے بعد بھی لوگ فائدہ اٹھائیں تو اس کا یہ کام صدقہ جاریہ شمار ہوگا۔ یعنی جب تک لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے رہیں گے اس کو برابر ثواب ملتا رہے گا۔

اسی طرح اگر کوئی شخص علم نافع حاصل کرنے کے بعد دوسروں کو بھی سکھاتا ہے تو جب تک لوگ اس علم پر عمل کرتے رہیں گے اس کو اجر ملتا رہے گا۔ اس پر درج ذیل نصوص دلالت کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَاٰثَارَهُمْ﴾

”اور ہم لکھ رہے ہیں جو عمل انھوں نے آگے بھیجے اور ان کے چھوڑے ہوئے نشان

بھی۔"[1]

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«إِذَامَاتَ الْإِنْسَانُ إِنْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلَّا مِنْ ثَلَاثَةٍ، إِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ، أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ......الخ»

"جب کوئی شخص فوت ہو جاتا ہے تو اس کے اعمال کا سلسلہ سوائے تین اعمال کے ختم ہو جاتا ہے، وہ اعمال یہ ہیں صدقہ جاریہ، ایسا علم جس سے فائدہ حاصل کیا جائے......الخ۔"[2]

سنن ابن ماجہ میں «بَابُ ثَوَابِ مُعَلِّمِ النَّاسِ الْخَيْرَ» کے تحت حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ عَلَّمَ عِلْمًا فَلَهُ أَجْرُمَنْ عَمِلَ به لَا يَنْقُصُ مِنْ اَجْرِ الْعَامِلِ»

"جو کسی کو علم سکھاتا ہے، اسے اس پر عمل کرنے والے کے برابر ثواب ملتا ہے اور عمل کرنے والے کے ثواب میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔"[3]

ابن ماجہ ہی میں اسی باب کے تحت ایک دوسری روایت کے الفاظ یوں ہیں:

«إِنَّ مِمَّا يَلْحَقُ الْمُؤْمِنَ مِنْ عَمَلِهِ وَحَسَنَاتِهِ بَعْدَ مَوْتِهِ، عِلْمًا عَلَّمَهُ وَنَشَرَهُ ...... أَوْ صَدَقَةً أَخْرَجَهَا مِنْ مَالِهِ فِي صِحَّتِهِ وَحَيَاتِهِ، يَلْحَقُهُ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهِ»

"مومن کو وفات کے بعد جو نیک عمل پہنچتے ہیں ان میں یہ بھی ہے: جس علم کی تعلیم

[1] یٰس 12:36. [2] صحیح مسلم، الوصیۃ، باب ما یلحق الانسان من الثواب بعد وفاتہ، حدیث:1631. [3] سنن ابن ماجہ، السنۃ، باب ثواب معلم الناس الخیر، حدیث: 240.

دی اور اسے پھیلایا...... یا صدقہ جو اس نے اپنی زندگی میں صحت کی حالت میں نکالا، ان سب کا ثواب اس کی موت کے بعد اسے ملتا رہتا ہے۔'' [1]

یعنی جو شخص اپنی زندگی ہی میں کوئی صدقہ کر جائے، مثلاً: مسجد و مدرسے کی تعمیر، لوگوں کی سہولت کے لیے پانی کا اہتمام وغیرہ تو اس کو وفات کے بعد بھی اجر ملتا رہتا ہے۔ ایسے ہی وہ شخص جو لوگوں کو دین کی تعلیم دے اور اسے پھیلائے، اس کو بھی فوت ہونے کے بعد ثواب پہنچتا رہتا ہے۔ سنن ابن ماجہ ہی کی ایک روایت میں علم سکھانے کو بہترین صدقہ قرار دیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«أَفْضَلُ الصَّدَقَةِ اَنْ يَتَعَلَّمَ الْمَرْءُ الْمُسْلِمُ عِلْمًا، ثُمَّ يُعَلِّمَهُ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ»

''سب سے افضل صدقہ یہ ہے کہ مسلمان آدمی کسی چیز کا علم حاصل کرے، پھر اپنے مسلمان بھائی کو اس کی تعلیم دے۔'' [2]

نیک اولاد کا نیک عمل

اگر کوئی شخص اپنی اولاد کی اچھی تربیت کرتا ہے تو اولاد جو بھی نیک عمل کرے اس کا اتنا ہی اجر والدین کو پہنچے گا جتنا اولاد کو اس عمل کے کرنے پر ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان گرامی ہے:

«اِذَامَاتَ الْاِنْسَانُ اِنْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ اِلَّا مِنْ ثَلَاثَةٍ، اِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ، اَوْعِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ، اَوْوَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُولَهُ»

[1] سنن ابن ماجه، السنة، باب ثواب معلم الناس الخير، حديث: 242. [2] سنن ابن ماجه، السنة، باب ثواب معلم الناس الخير، حديث: 243.

”جب انسان مر جاتا ہے تو اس کے اعمال کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے لیکن تین چیزیں جاری رہتی ہیں: صدقہ جاریہ، ایسا علم جس سے فائدہ اٹھایا جاتا رہے اور نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرے۔“ [1]

علامہ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: نیک اولاد اعمال صالحہ میں سے جو بھی عمل کرے اس کا اجر اس کے والدین کو اتنا ہی پہنچتا ہے جتنا اولاد کو اس عمل کے کرنے پر ہوتا ہے اور اولاد کے اجر میں مطلق کوئی کمی نہیں کی جاتی۔ اس لیے کہ اولاد بھی والدین کی کوشش اور کمائی کے ذخیرے میں سے ہے، اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَ اَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی ۝﴾

”انسان کے لیے صرف وہی ہے جس کی اس نے کوشش کی۔“ [2]

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

«اِنَّ مِنْ أَطْيَبِ مَا أَكَلَ الرَّجُلُ مِنْ كَسْبِهِ، وَوَلَدُهُ مِنْ كَسْبِهِ»

”سب سے پاکیزہ خوراک وہ ہے جو آدمی اپنی کمائی سے کھائے اور اس کی اولاد بھی اس کی کمائی کا حصہ ہے۔“ [3]

شیخ البانی رحمہ اللہ نے مذکورہ آیت اور حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ انسان کے لیے وہی ہے جو اس نے کوشش کی اور کمایا، جبکہ اولاد انسان کی کمائی کا حصہ ہی ہے تو جو بھی عملِ صالح اولاد کرے گی اس کا اجر اس کے والدین کو بھی پہنچے گا۔

[1] صحيح مسلم، الوصية، باب ما يلحق الانسان من الثواب بعد وفاته، حديث: 1631.

[2] نجم 53: 39. [3] سنن أبي داود، البيوع، باب الرجل يأكل من مال ولده، حديث: 3528، و احكام الجنائز للألبانی، ص: 216.

اچھا طریقہ ایجاد کرنا

اگر کوئی شخص اپنی زندگی میں کوئی اچھا طریقہ ایجاد کر جاتا ہے تو جب تک لوگ اس طریقے پر عمل کرتے رہتے ہیں، اس شخص کو بھی ان کے برابر اجر و ثواب ملتا رہتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«مَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً، فَلَهُ أَجْرُهَا، وَأَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا بَعْدَهُ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَنْقُصَ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْءٌ»

جس نے اسلام میں کوئی اچھا طریقہ ایجاد کیا، اس کے لیے اس کا اجر بھی ہے اور ہر اس شخص کا اجر بھی کہ جس نے اس پر عمل کیا، اور ان کے اجر میں سے کچھ کم بھی نہیں ہوگا۔'' [1]

ایک دوسری روایت کے الفاظ ہیں:

«مَنْ سَنَّ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهُ أَجْرُهَا مَا عُمِلَ بِهَا فِي حَيَاتِهِ وَبَعْدَ مَمَاتِهِ حَتَّى تُتْرَكَ»

''جس نے کوئی اچھا طریقہ ایجاد کیا، اس پر اس کی زندگی میں اور اس کی وفات کے بعد جب تک عمل ہوتا رہے گا، اس کو بھی اجر ملتا رہے گا، یہاں تک کہ اس طریقے کو چھوڑ دیا جائے۔'' [2]

البتہ اس حوالے سے یہ بات ذہن نشین رہے کہ ہر وہ طریقہ اچھا نہیں ہو سکتا جس کو کسی آدمی کی عقل اچھا گردانے۔ اچھا طریقہ ایجاد کرنے سے مراد وہی طریقہ ہے جس کی اصل

[1] صحيح مسلم، الزكاة، باب الحث على الصدقة ولو بشق تمرة......، حديث: 1017.

[2] صحيح الترغيب والترهيب للالباني: 65.

پہلے شریعت میں موجود ہو، بصورت دیگر وہ طریقہ ظاہراً جتنا بھی بھلا لگتا ہو قابلِ قبول نہ ہوگا بلکہ اس کا شمار بدعات میں ہوگا۔

کتب کی نشر و اشاعت

انسان کا اپنی زندگی کے اندر دینی کتب کی نشر و اشاعت یا تصنیف و تالیف کے ذریعے علم کو پھیلانا بھی صدقہ جاریہ میں شمار ہوگا۔ فضیلۃ الشیخ عطاء اللہ ساجد صاحب حفظہ اللہ سنن ابن ماجہ میں «بَابُ ثَوَابِ مُعَلِّمِ النَّاسِ الْخَيْرَ» کے تحت مذکور حدیث کے الفاظ: «وَعِلْمٌ يُعْمَلُ بِهِ مِنْ بَعْدِهِ» ''اور وہ علم جس پر اس کے بعد عمل ہوتا رہے۔''[1] کے تحت فوائد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: کسی کو علم سکھانا یا کوئی مفید علمی کام کرنا بھی ایک ایسا عمل ہے جس کا ثواب جاری رہتا ہے۔ محدثین کرام رحمہم اللہ کی تصنیفات اور دوسری علمی تالیفات بھی اس میں شامل ہیں، جب تک ان سے استفادہ کیا جاتا رہے گا، مصنفین کو ثواب پہنچتا رہے گا۔[2] ایک دوسری روایت کے الفاظ یوں ہیں:

«إِنَّ مِمَّا يَلْحَقُ الْمُؤْمِنَ مِنْ عَمَلِهِ وَحَسَنَاتِهِ بَعْدَ مَوْتِهِ، عِلْمًا عَلَّمَهُ وَنَشَرَهُ ...... وَمُصْحَفًا وَرَّثَهُ»

مومن کو وفات کے بعد جو نیک عمل پہنچتے ہیں، ان میں یہ بھی ہیں: جس علم کی تعلیم دی اور اسے پھیلایا...... قرآنِ مجید کا نسخہ جو کسی کو وراثت میں ملا۔''[3] مذکورہ حدیث کے الفاظ «نَشَرَهُ» میں مطلق علم کو پھیلانے کا ذکر ہے، چاہے وہ پھیلانا کسی کو علم سکھانے کے ذریعے

[1] سنن ابن ماجہ، السنۃ، باب ثواب معلم الناس الخیر، حدیث: 24. [2] سنن ابن ماجہ، مترجم: 279/1، مطبوعہ دارالسلام. [3] سنن ابن ماجہ، السنۃ، باب ثواب معلم الناس الخیر، حدیث: 242.

ہو یا کتب کی نشر و اشاعت کے ذریعے ہو یا اسی طرح دینی کتب خرید کر فی سبیل اللہ تقسیم کرنے کے ذریعے ہو، یہ تمام صورتیں اس عموم میں شامل ہیں۔ اسی طرح فرمایا کہ قرآنِ مجید کا وہ نسخہ کہ جو کسی کو وراثت میں ملا، جب تک وہ وارث اس کو پڑھتا رہے گا تو اس فوت شدہ کو بھی برابر اجر ملتا رہے گا۔ واللہ اعلم

اللہ تعالیٰ کی راہ میں سرحد کا پہرہ دینا

اللہ کی راہ میں اسلامی ملک کی سرحد کا پہرہ دینا بھی ان اعمال میں سے ہے جن کا اجر و ثواب کسی شخص کے فوت ہو جانے کے بعد بھی اس کو ملتا رہتا ہے۔ اس بارے میں امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں ایک روایت نقل کی ہے:

«رِبَاطُ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ خَيْرٌ مِنْ صِيَامِ شَهْرٍ وَقِيَامِهِ، وَإِنْ مَاتَ جَرٰى عَلَيْهِ عَمَلُهُ الَّذِىْ كَانَ يَعْمَلُهُ، وَأُجْرِىَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ، وَأَمِنَ الْفَتَّانَ»

''اللہ کی راہ میں ایک دن اور ایک رات سرحد کا پہرہ دینا، ایک مہینے کے روزوں اور قیام سے بہتر ہے۔ اور اگر وہ مر گیا تو اس کا وہ عمل اس پر جاری رہے گا جو وہ کرتا رہا اور اس پر اس کا رزق جاری کر دیا جائے گا۔ اور وہ فتنے میں ڈالنے والے سے بھی محفوظ ہو گا۔'' [1]

الشیخ صفی الرحمان مبارکپوری رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: ''اللہ کی راہ میں سرحد کا پہرہ دینا بھی صدقہ جاریہ کی مثل ہی ہے، اس لیے وفات کے بعد بھی اس شخص کو اس کا اجر و ثواب ملتا رہے گا۔'' [2]

[1] صحیح مسلم، الجهاد، باب فضل الرباط فی سبیل الله عزوجل، حدیث: 1913. [2] منة المنعم فی شرح صحیح مسلم، ج: 3، ص: 294.

مسجد و دیگر اشیاء کی تعمیر

امام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے سنن ابن ماجہ میں (بَابُ ثَوَابِ مُعَلِّمِ النَّاسِ الْخَيْرَ) کے تحت ایک حدیث نقل کی ہے جو زیر نظر عنوان کے حوالے سے بڑی جامعیت رکھتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«اِنَّ مِمَّا يَلْحَقُ الْمُؤْمِنَ مِنْ عَمَلِهِ وَحَسَنَاتِهِ بَعْدَ مَوْتِهِ، عِلْمًا عَلَّمَهُ وَنَشَرَهُ، وَوَلَدًا صَالِحًا تَرَكَهُ، وَمُصْحَفًا وَرَّثَهُ، أَوْ مَسْجِدًا بَنَاهُ أَوْ بَيْتًا لِابْنِ السَّبِيْلِ بَنَاهُ، أَوْ نَهْرًا أَجْرَاهُ أَوْ صَدَقَةً أَخْرَجَهَا مِنْ مَالِهِ فِي صِحَّتِهِ وَ حَيَاتِهِ، يَلْحَقُهُ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهِ»

''مومن کو وفات کے بعد جو نیک عمل پہنچتے ہیں، ان میں یہ بھی ہے: جس علم کی تعلیم دی اور اسے پھیلایا، نیک اولاد جو پیچھے چھوڑی، قرآن مجید کا نسخہ جو کسی کو وراثت میں ملا، مسجد جو اس نے تعمیر کی، مسافر خانہ جو اس نے قائم کیا، نہر جو اس نے جاری کی یا صدقہ جو اس نے اپنی زندگی میں صحت کی حالت میں نکالا، ان سب کا ثواب اس کی موت کے بعد اسے ملتا رہتا ہے۔'' [1]

یہاں ان اعمال کا ذکر مکمل ہوا جو کوئی شخص اپنی زندگی میں کرتا ہے تو ان کا اجر اس کو وفات کے بعد بھی ملتا رہتا ہے۔ ذیل میں ہم ان امور کا ذکر کرتے ہیں جو میت کے عزیز و اقارب کی طرف سے کیے جاتے ہیں اور ان کا اجر میت کو پہنچتا ہے۔

[1] سنن ابن ماجہ، السنۃ، باب ثواب معلم الناس الخیر، حدیث: 242.

قرض کی ادائیگی

اگر کوئی شخص اپنے ذمے کچھ قرض چھوڑتا ہے تو اس کا ادا کرنا میت کے لیے فائدہ مند ثابت ہوتا ہے۔ البتہ اس کی ادائیگی کرنے والا چاہے کوئی بھی ہو، یعنی کوئی رشتے دار قرض کی ادائیگی کرے یا کوئی اور شخص، اس بارے میں کسی قسم کی کوئی قید نہیں ہے۔ البتہ قرض کا ادا کرنا لازمی اور ضروری ہے، اس لیے کہ اس کی وجہ سے میت کو بہت مشکل کا سامنا ہوتا ہے۔

چونکہ قرض کی ادائیگی ایک اہم مسئلہ ہے، اس لیے ہر آدمی کو اپنی زندگی کے اندر ہی یہ کوشش کرنی چاہیے کہ وہ اپنے ذمے کسی قسم کا کوئی قرض نہ چھوڑے۔ احادیث میں ایسے شخص کے لیے بہت سخت وعید آئی ہے جو لوگوں سے قرض تو لے لیتا ہے مگر اس قرض کو ادا کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔

بہر حال اگر کوئی شخص کسی وجہ سے اپنی زندگی کے اندر قرض ادا نہیں کر سکا تو اس کی طرف سے قرض ادا کرنے سے اس کا قرض ادا ہو جاتا ہے اور اس کے لیے عذاب میں تخفیف کا باعث بھی بنتا ہے۔ سعد بن اطول رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان (سعد) کا بھائی فوت ہو گیا، اس نے تین سو درہم (ترکہ) چھوڑا اور بال بچے بھی چھوڑے۔ سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے چاہا وہ مال ان کے بیوی بچوں پر خرچ کروں۔ میں نے اپنے اس ارادے کا اظہار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّ أَخَاكَ مُحْتَبَسٌ بِدَيْنِهِ، فَاقْضِ عَنْهُ»

”تمھارا بھائی اپنے قرض کی وجہ سے قید ہے، اس لیے اس کا قرض ادا کرو۔“

سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: جب میں نے قرض ادا کر دیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی کہ میں نے قرض

ادا کر دیا ہے۔ [1]

میت کی طرف سے قرض ادا کرنے کی اہمیت کے حوالے سے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح کے اندر باب «مَنْ تَكَفَّلَ عَنْ مَيِّتٍ دَيْنًا فَلَيْسَ لَهُ أَنْ يَرْجِعَ» کے تحت ایک حدیث نقل کی ہے، سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک میت کی نماز جنازہ ادا کرنے کے لیے بلایا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: «هَلْ عَلَيْهِ مِنْ دَيْنٍ؟» ''اس پر کوئی قرض ہے؟'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ہاں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «فَصَلُّوا عَلَى صَاحِبِكُمْ» ''پھر تم خود ہی اپنے ساتھی کی نماز جنازہ پڑھ لو۔'' ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ''اے اللہ کے رسول! اس کا قرض میں ادا کر دوں گا، آپ اس کی نماز جنازہ پڑھا دیں۔'' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی۔'' [2] مسند احمد کی ایک روایت کے الفاظ ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا: ''ابوقتادہ! ان دیناروں کا کیا بنا، وہ قرض ادا کر دیا؟'' ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے اگلے دن وہ قرض ادا کر دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«الْآنَ بَرَدَتْ عَلَيْهِ جِلْدُهُ»

''اب اس کی جلد ٹھنڈی ہوئی ہے۔'' [3] یعنی قرض ادا نہ کرنے کی وجہ سے وہ عذاب میں مبتلا تھا، اب اس کو سکون ملا ہے جب اس کا قرض ادا کر دیا گیا ہے۔

[1] سنن ابن ماجه، الاحكام، باب اداء الدين عن الميت، حديث: 2433. [2] صحيح البخاري، الكفالة، باب من تكفل عن ميت دينا فليس له ان يرجع، حديث: 2295. [3] مسند احمد:3/330.

دعا و استغفار

میت کے لیے دعا و استغفار کرنا، اس کے لیے درجات کی بلندی کا سبب اور عذاب میں کمی کا باعث ہے۔ البتہ میت کو یہ فائدہ اسی وقت پہنچتا ہے جب قبولیتِ دعا کی تمام شروط پائی جائیں۔ فوت شدگان کے لیے دعا کرنے اور ان کو اس دعا سے فائدہ پہنچنے پر قرآن و حدیث کی بہت ساری نصوص دلالت کرتی ہیں۔

دعا میں سب سے پہلی چیز میت کی نماز جنازہ ہے۔ فوت شدہ کی نماز جنازہ ادا کرنا مسلمانوں پر ایک فرض ہے، اگرچہ چند افراد ہی اس کو ادا کرلیں تو یہ فرض ادا ہو جاتا ہے۔ مگر قابل افسوس بات یہ ہے کہ ہمارے موجودہ دور میں نماز جنازہ کو کوئی خاص اہمیت نہیں دی جاتی، صرف ایک یا دو منٹ میں نماز جنازہ ادا کرلی جاتی ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ صرف جماعت اہل حدیث کو یہ شرف حاصل ہے کہ یہ میت کے اس حق کو صحیح طرح ادا کرتے ہیں تو اس میں مبالغہ نہ ہوگا۔

بہرحال صحیح العقیدہ فوت شدگان کے لیے دعا و استغفار کرنا قرآن مقدس میں اہل ایمان کی ایک نشانی بتلائی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کی صفت بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے:

﴿وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ﴾

”اور جو ان کے بعد آئے، وہ کہتے ہیں: اے ہمارے رب! ہمیں اور ہمارے ان بھائیوں کو بخش دے جنھوں نے ایمان لانے میں ہم سے پہل کی۔“ [1]

رسول اللہ ﷺ بقیع غرقد میں جا کر مدفون لوگوں کے لیے دعا کیا کرتے تھے۔

[1] الحشر 10:59.

عائشہ رضی اللہ عنہا نے جب اس بارے میں سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «إِنِّي أُمِرْتُ أَنْ أَدْعُوَ لَهُمْ» ''مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں ان کے لیے دعا کروں۔'' [1]

دعا کی افادیت کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اور فرمان گرامی ہے کہ جب تدفین ہو جائے تو میت کے لیے دعا کی جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

«إِسْتَغْفِرُوا لِأَخِيكُمْ وَاسْئَلُوْا لَهُ التَّثْبِيْتَ فَإِنَّهُ الْآنَ يُسْئَلُ»

''اپنے بھائی کے لیے مغفرت اور ثابت قدمی کی دعا کرو، اس لیے کہ اب (قبر میں) اس سے سوال کیا جائے گا۔'' [2]

میت کے لیے استغفار کرنے کی وجہ سے جنت میں اس کے درجات کو بلند کیا جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّ الرَّجُلَ لَتُرْفَعُ دَرَجَتُهُ فِي الْجَنَّةِ فَيَقُولُ: أَنَّى هَذَا؟ فَيُقَالُ: بِاسْتِغْفَارِ وَلَدِكَ لَكَ»

''جنت میں جب کسی آدمی کا درجہ بلند کیا جاتا ہے تو وہ سوال کرتا ہے: ''یہ (درجے کی بلندی) کس وجہ سے ہے؟'' اس کو بتایا جاتا ہے کہ (جنت میں درجے کی بلندی) تیرے لیے تیری اولاد کے بخشش کی دعا کرنے کی وجہ سے ہے۔'' [3]

میت کی طرف سے صدقہ

جب کوئی شخص فوت ہو جائے تو اس کی طرف سے صدقہ کرنے والوں کے بارے میں علماء میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ کچھ علماء کا کہنا ہے کہ صرف اولاد ہی میت کی طرف سے

[1] مسند احمد: 252/6. [2] سنن أبي داود، الجنائز، باب الاستغفار عند القبر للميت......، حديث: 3221. [3] سنن ابن ماجه، الأدب، باب بر الوالدين، حديث: 3660.

صدقہ کرسکتی ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ کوئی بھی شخص میت کی طرف سے صدقہ کرسکتا ہے۔

بہر حال دلائل دونوں طرف موجود ہیں، اس لیے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس بارے میں وسعت موجود ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے عزیز، رشتہ دار کی طرف سے صدقہ کرنا چاہے تو کرسکتا ہے۔ اس بارے میں دلائل درج ذیل ہیں:

سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: میری والدہ فوت ہوگئی ہیں۔ اس وقت میں یہاں موجود نہیں تھا۔ اگر اب میں اپنی والدہ کی طرف سے کوئی صدقہ کروں تو کیا میری والدہ کو اس کا فائدہ ہوگا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «نَعَمْ» ''ہاں۔'' سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ''میرا ایک پھل دار باغ ہے، میں آپ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں نے وہ باغ اس کی طرف سے صدقہ کر دیا۔'' [1]

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

«إِنَّ أَبِي مَاتَ وَتَرَكَ مَالًا وَلَمْ يُوصِ، فَهَلْ يُكَفِّرُعَنْهُ إِنْ تُصُدِّقَ عَنْهُ؟»

''میرا والد فوت ہوگیا ہے، انھوں نے کچھ مال بھی چھوڑا ہے جبکہ کچھ وصیت نہیں کی، اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کروں تو ان کے گناہ بخش دیے جائیں گے۔؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «نَعَمْ» ''ہاں۔'' [2]

امام نووی رحمہ اللہ نے صحیح مسلم میں اس حدیث پر جو باب قائم کیا ہے درج ذیل ہے:

«بَابُ وُصُولِ ثَوَابِ الصَّدَقَةِ إِلَى الْمَيِّتِ» ''میت کو صدقے کا ثواب پہنچنے کا

[1] صحيح البخاري، الوصايا، باب اذا قال: أرضي أوبستاني صدقة......، حديث: 2756.

[2] صحيح مسلم، الوصية، باب وصول ثواب الصدقة الى الميت، حديث: 1630.

بیان۔'' امام نووی رحمہ اللہ کی اس تبویب سے ظاہر ہوتا ہے کہ صدقہ صرف والدین کی طرف سے نہیں بلکہ کسی بھی فوت شدہ کے لیے کیا جا سکتا ہے۔ واللہ اعلم

اس حوالے سے ایک بات کی وضاحت کر دینا بھی ضروری ہے کہ صدقہ صرف فوت شدہ والدین ہی کی طرف سے نہیں بلکہ زندہ والدین کی طرف سے بھی کوئی چیز صدقہ کی جا سکتی ہے۔ اس بارے میں سعودی علماء کی فتویٰ کمیٹی کا ایک فتویٰ بھی ''فتاوی اسلامیہ'' میں مذکور ہے۔ [1]

میت کی طرف سے حج

میت کی طرف سے ایصالِ ثواب کی خاطر حج کرنا بھی شرعاً جائز و مشروع ہے۔ حج ایک ایسی عبادت ہے جو بدنی بھی ہے اور مالی بھی، اس لیے علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ میت کی طرف سے بدنی عبادت صرف وہی کی جا سکتی ہے جو صحیح نصوص سے ثابت ہے۔ اس کے علاوہ کسی اور عبادت کو ان پر قیاس کرنا درست نہیں۔ وہ احادیث جو میت کی طرف سے حج کرنے پر دلالت کرتی ہیں، درج ذیل ہیں:

جہینہ قبیلے کی ایک عورت نبی ﷺ کے پاس آئی اور عرض کی: میری والدہ نے نذر مانی تھی کہ وہ حج ادا کرے گی۔ وہ حج کی ادائیگی سے پہلے ہی وفات پا چکی ہیں، کیا میں اس کی طرف سے حج ادا کروں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«نَعَمْ، حُجِّي عَنْهَا، أَرَأَيْتِ لَوْ كَانَ عَلٰى أُمِّكِ دَيْنٌ، أَكُنْتِ قَاضِيَتَهُ؟ اقْضُوا اللّٰهَ، فَاللّٰهُ أَحَقُّ بِالْوَفَاءِ»

''ہاں، اس کی طرف سے حج کر، اگر تمھاری والدہ پر کوئی قرض ہوتا، تو ادا کرتی؟ تم

[1] فتاویٰ اسلامیہ: 84/1.

اللہ کا قرض ادا کرو، اللہ اس بات کا زیادہ حق رکھتا ہے کہ اس کا قرض ادا کیا جائے۔'' [1]

مذکورہ حدیث پر امام بخاری رحمہ اللہ نے جو باب قائم کیا ہے، درج ذیل ہے:

«بَابُ الْحَجِّ وَالنُّذُورِ عَنِ الْمَيِّتِ، وَالرَّجُلُ يَحُجُّ عَنِ الْمَرْأَةِ»

امام بخاری رحمہ اللہ کی اس تبویب سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ میت نے حج کرنے کی نذر مانی ہو یا نہ مانی ہو اس کی طرف سے حج ادا کرنا درست ہے۔

میت کی طرف سے مطلق طور پر حج کرنے کے متعلق سنن أبي داود کی ایک روایت ''مشرک والدین اور رشتہ داروں کے لیے ایصالِ ثواب......؟'' کے تحت گزر چکی ہے کہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے جب اپنے والد کی طرف سے پچاس غلام آزاد کرنے کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّهُ لَو كَانَ مُسْلِماً فَاعْتَقْتُمْ عَنْهُ، أَوْ تَصَدَّقْتُمْ عَنْهُ، أَوْ حَجَجْتُمْ عَنْهُ بَلَغَهُ ذَالِكَ»

''اگر تمھارا باپ مسلمان ہوتا، پھر تم اس کی طرف سے غلام آزاد کرتے، اس کی طرف سے صدقہ کرتے یا اس کی طرف سے حج کرتے تو اس کا ثواب تمھارے باپ کو پہنچ جاتا۔'' [2]

میت کی طرف سے حج، اولاد یا کوئی اور عزیز بھی کرسکتا ہے۔

[1] صحيح البخاري، جزاء الصيد، باب الحج والنذور عن الميت......، حديث: 1852.

[2] سنن أبي داود، الوصايا، باب ماجاء في وصية الحربي......، حديث: 2883.

میت کی طرف سے روزوں کی ادائیگی

میت کی طرف سے نذر کے روزوں کی ادائیگی بھی ایک مشروع ومسنون عمل ہے۔ البتہ فرض روزوں کی قضا کے بارے میں علماء میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اگر بیماری یا سفر وغیرہ کی وجہ سے میت کے فرض روزے رہ گئے ہوں تو وہ میت کی طرف سے رکھے جا سکتے ہیں یا کہ نہیں۔ بعض علماء کا کہنا ہے کہ روزوں کے بجائے فدیہ ادا کیا جائے اور بعض علماء کا موقف ہے کہ روزہ رکھا جا سکتا ہے۔ البتہ اس بارے میں علامہ البانی رحمہ اللہ نے ''احکام الجنائز، ص: 215 '' اور فضیلۃ الشیخ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ نے ''جنازے کے احکام و مسائل'' جو زیر طبع ہے، میں کافی مفصل بحث کی ہے۔ اس مفصل بحث کے بعد نتیجہ یہ اخذ کیا ہے کہ میت کی طرف سے صرف نذر کے روزے رکھے جا سکتے ہیں۔

نذر کے روزے رکھنے کے بارے میں جو دلائل ہیں، وہ درج ذیل ہیں: ایک عورت نبی ﷺ کے پاس آئی اور پوچھا: اے اللہ کے رسول! میری والدہ فوت ہوگئی ہیں اور اس پر نذر کا روزہ تھا، کیا میں اس کی طرف سے روزہ رکھوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَرَأَيْتِ لَوْ كَانَ عَلَى أُمِّكِ دَيْنٌ فَقَضَيْتِيهِ، أَكَانَ يُؤَدِّي ذٰلِكِ عَنْهَا»

''اگر تیری ماں پر قرض ہوتا جس کو تو ادا کرتی، کیا وہ اس کی طرف سے ادا ہو جاتا؟'' اس عورت نے جواب دیا: ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اپنی ماں کی طرف سے روزہ رکھو۔'' [1]

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی ''صحیح'' کے اندر باب قائم کیا ہے: «بَابُ مَنْ مَاتَ وَعَلَيْهِ صَوْمٌ» اور اس کے تحت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[1] صحيح مسلم، الصيام، باب قضاء الصوم عن الميت، حديث: (156) 1148.

«مَنْ مَاتَ وَعَلَيْهِ صِيَامٌ صَامَ عَنْهُ وَلِيُّهُ»

''جو شخص فوت ہو جائے اور اس کے ذمے روزے ہوں تو اس کا وارث اس کی طرف سے روزے رکھے۔''[1]

مذکورہ حدیث کی روشنی میں کوئی بھی وارث میت کی طرف سے روزہ رکھ سکتا ہے۔

غلام آزاد کرنا

میت کی طرف سے غلام آزاد کرنا بھی اس کے لیے ثواب کا موجب ہے۔ امام داود رحمہ اللہ نے «بَابُ مَاجَاءَ فِي وَصِيَّةِ الْحَرْبِي، يُسْلِمُ وَلِيُّهُ أَيَلْزَمُهُ أَنْ يُنْفِذَهَا» کے تحت ایک روایت نقل کی ہے، عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: میرے والد نے سو غلام آزاد کرنے کی وصیت کی تھی، میرے بھائی نے پچاس غلام آزاد کر دیے ہیں، کیا میں بھی اپنے والد کی طرف سے پچاس غلام آزاد کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّهُ لَوْ كَانَ مُسْلِمًا فَأَعْتَقْتُم عَنْهُ...... بَلَغَهُ ذٰلِكَ»

''اگر تمھارا باپ مسلمان ہوتا، پھر تم اس کی طرف سے غلام آزاد کرتے، تو اس کا ثواب تمھارے والد کو پہنچ جاتا۔''[2]

میت کی طرف سے قربانی

میت کی طرف سے قربانی کرنا بھی ایک مشروع عمل ہے۔ صحیح مسلم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

[1] صحيح البخاري، الصوم، باب من مات وعليه صوم، حديث: 1952. [2] سنن أبي داود، الوصايا، باب ما جاء في وصية الحربي......، حديث: 2883.

کا اپنا فعل منقول ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی امت کے (زندہ اور مردہ) لوگوں کی طرف سے قربانی کی۔ [1]

میت کی طرف سے قربانی کرنے کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ جو علماء اس بات کے قائل ہیں کہ میت کی طرف سے قربانی نہیں کی جا سکتی، ان کے نزدیک مذکورہ حدیث میں منقول نبی ﷺ کا فعل آپ ﷺ کا خاصہ ہے۔ اس لیے نبی ﷺ کی اقتدا میں کسی امتی کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی فوت شدہ کے لیے قربانی کرے۔

بہر حال قربانی بھی صدقے ہی کی ایک صورت ہے، اور صدقہ شرعاً مشروع و مسنون ہے، اس لیے اس بارے میں کسی حد تک وسعت موجود ہے۔ اگر کوئی اپنے فوت شدگان کے لیے قربانی کرنا چاہے تو اس کے لیے گنجائش ہے۔ واللہ اعلم

ایک ضروری وضاحت

عمومی طور پر ہمارے معاشرے میں جو تصور پایا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ صرف اولاد ہی فوت شدہ والدین کے لیے صدقہ کر سکتی ہے۔ اس کے برعکس اگر والدین زندہ ہوں اور اولاد میں سے کوئی فوت ہو جائے تو والدین کا اولاد کی طرف سے صدقہ کرنا درست نہیں۔ اگر ہم صدقے کے متعلق عمومی طور پر دلائل کا مطالعہ کریں تو یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ والدین بھی فوت شدہ اولاد کی طرف سے صدقہ کر سکتے ہیں۔ واللہ اعلم.

[1] صحيح مسلم، الأضاحي، باب استحباب استحسان الضحية......، حديث: 1967.

وہ امور جن سے میت کو فائدہ نہیں پہنچتا

ہمارے موجودہ معاشرے میں فوت شدگان کے لیے ایصالِ ثواب کے نام پر بہت سارے اعمال رواج پا چکے ہیں۔ ان اعمال کا شریعت سے کوئی تعلق اور واسطہ نہیں ہے۔ جیسا کہ ہم نے پہلے بھی یہ بات ذکر کی ہے کہ ایصالِ ثواب کے نام پر بعض رواج پذیر امور کا نہ ہی میت کو کچھ فائدہ ہوتا ہے اور نہ ہی وہ عمل کرنے والے کو، بلکہ یہ اعمال تو ایصالِ ثواب کرنے والے کی خطاؤں میں اضافے کا سبب بنتے ہیں۔ اس لیے کہ وہ امور جن کے بارے کوئی شرعی نص موجود نہ ہو، شریعت نے ان کو ''گمراہی'' کے نام سے تعبیر کیا ہے اور تمام بدعات کو جہنم میں داخلے کا سبب بتایا ہے۔ ایصالِ ثواب کے نام پر معاشرے میں رائج امور کو ہم ذیل میں ذکر کرتے ہیں:

جنازہ اٹھائے ہوئے کلمہ شہادت پڑھنا

جنازہ لے جاتے ہوئے کلمہ شہادت پڑھنا ہمارے معاشرے میں ایک رسم بن چکی ہے۔ ایک شخص بلند آواز سے ''کلمہ شہادت'' پکارتا ہے اور باقی لوگ کلمے کا ورد کرتے ہیں۔ شریعتِ اسلامیہ میں اس بات کی ممانعت ہے کہ جنازے کے ساتھ جاتے ہوئے آوازوں کو بلند کیا جائے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَا تُتْبَعُ الْجَنَازَةُ بِصَوتٍ وَلَا نَارٍ»

”جنازے کے ساتھ آواز بلند ہو نہ جنازے کے ساتھ آگ کو لے جایا جائے۔“ [1]

مذکورہ حدیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جنازے کے ساتھ جاتے ہوئے بلند آواز سے کسی بھی قسم کا ذکر یا ورد نہ کیا جائے بلکہ بالکل خاموشی سے جنازے کے ساتھ چلا جائے۔

صرف مشرک لوگوں کا جنازہ پڑھنا

نماز جنازہ کا ادا کرنا ایک مسلمان کا حق ہے۔ اس کو ادا کرنا مسلمانوں پر فرض ہے۔ البتہ یہ بات ذہن نشین رہے کہ نماز جنازہ کی افادیت اسی وقت ہے جب اس کو ادا کرنے والے مؤحد لوگ ہوں۔ اگر نماز جنازہ ادا کرنے والے صرف وہ لوگ ہوں جو نام کے تو مسلمان ہیں مگر شرک کا ارتکاب بھی کرتے ہیں تو ایسے لوگوں کے نماز جنازہ ادا کرنے سے میت کو کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح کے اندر ایک روایت نقل کی ہے جس پر امام نووی رحمہ اللہ نے «مَنْ صَلَّی عَلَیهِ أَرْبَعُونَ، شُفِّعُوا فِیهِ» کے نام سے باب قائم کیا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے تھے:

«مَامِنْ رَجُلٍ مُسْلِمٍ یَمُوتُ فَیَقُومُ عَلٰی جَنَازَتِهِ أَرْبَعُونَ رَجُلًا، لَایُشْرِکُونَ بِاللّٰهِ شَیْئًا اِلَّا شَفَّعَهُمُ اللّٰهُ فِیهِ»

”جب کوئی مسلمان شخص فوت ہو جائے اور اس کی نماز جنازہ میں (صرف) چالیس افراد بھی ہوں مگر ان میں سے کوئی بھی اللہ کے ساتھ شرک کرنے والا نہ ہو تو

[1] سنن أبي داود، الجنائز، باب فی اتباع المیت بالنار، حدیث:3171.

اللہ تعالیٰ اس شخص کے بارے میں ان کی شفاعت کو قبول فرمائے گا۔'' [1]

علامہ عبدالرحمان مبارکپوری رحمہ اللہ ''تحفۃ الأحوذی شرح جامع الترمذی'' میں صحیح مسلم کی مذکورہ حدیث کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: میت کے بارے میں ان افراد کی شفاعت کو دو امور کے ساتھ مقید کیا گیا ہے: ① وہ تمام افراد اخلاص کے ساتھ میت کے لیے دعائے مغفرت کرنے والے ہوں ② وہ تمام افراد ایسے ہوں کہ ان میں کوئی بھی اللہ کے ساتھ شرک کرنے والا نہ ہو۔ [2]

ہر مسلمان شخص کے لیے یہ لمحہ فکریہ ہے کہ وہ خود بھی مؤحدانہ زندگی گزارے اور اپنے تعلقات اور اٹھنا بیٹھنا بھی مؤحدین اور دین دار لوگوں کے ساتھ قائم کرے تاکہ اس کی نماز جنازہ میں ایسے لوگ شریک ہوں جن کی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شفاعت قبول کی جائے۔

نماز جنازہ کے فوراً بعد دعا مانگنا

نماز جنازہ کے فوراً بعد میت کے ارد گرد جمع ہو کر دعا کرنا، ہمارے معاشرے میں بہت حد تک بڑھ چکا ہے۔ یہ ایسا عمل ہے جس کا شریعت میں کہیں بھی ذکر نہیں ملتا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں نماز جنازہ کے بعد دعا مانگنے کا جو ذکر ہمیں ملتا ہے وہ تدفین کے بعد کا ہے۔ صحیح احادیث اس بات کی وضاحت کرتی ہیں۔ نماز جنازہ کے فوراً بعد دعا کی افادیت کا نہ ہونا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کی خبر نہ دینا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ تمام اعمال اپنی امت کے لیے بیان کر دیے ہیں جن کے اندر امت کے لیے فائدہ اور بھلائی ہے۔ عبداللہ بن

[1] صحیح مسلم، الجنائز، باب من صلی علیه اربعون، شفعوافیه، حدیث: 948، وجامع الترمذي، الجنائز، باب کیف الصلاۃ علی المیت والشفاعة له، حدیث: 1029۔ [2] تحفة الاحوذی، ج: 4، ص: 98.

عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّهُ لَمْ يَكُنْ نَبِيٌّ قَبْلِي إِلَّا كَانَ حَقًّا عَلَيْهِ أَنْ يَدُلَّ أُمَّتَهُ عَلٰى خَيْرِ مَا يَعْلَمُهُ لَهُمْ، وَيُنْذِرَهُمْ شَرَّ مَا يَعْلَمُهُ لَهُمْ، وَإِنَّ أُمَّتَكُمْ هٰذِهِ جُعِلَ عَافِيَتُهَا فِي أَوَّلِهَا»

''مجھ سے پہلے جو بھی نبی ہوا ہے اس کے لیے ضروری تھا کہ وہ اپنی امت کی خیر کی طرف راہنمائی کرے۔ امت کو بھلائی کی ہر وہ بات بتلائے جس کا امت کے لیے بہتر ہونا اسے معلوم ہو۔ ان چیزوں سے ان کو ڈرائے جن کا ان کے لیے برا ہونا اس کو معلوم ہو، بے شک تمھاری اس امت کی عافیت اس کے پہلے دور (صحابہ کرام کے دور) میں ہے۔'' [1]

جب ہم صحابہ کرام کے دور کو دیکھتے ہیں ہمیں دعا کا یہ محل کہیں بھی نظر نہیں آتا۔ جبکہ ہمارا یہ یقین ہے کہ نبی ﷺ نے ہمارے فائدے کے تمام اعمال بیان کر دیے ہیں۔ جب دعا کا یہ محل نہیں بتایا گیا تو اس میں نہ ہمارے لیے کوئی فائدہ ہے اور نہ ہی فوت شدہ شخص کے لیے۔ اس کا شمار ان امور میں ہوگا جن کے بارے رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ فِيهِ فَهُوَ رَدٌّ»

''جس نے ہمارے اس دین میں نیا کام ایجاد کیا جو اس میں نہیں وہ مردود ہے۔'' [2]

[1] صحيح مسلم، المغازي، باب وجوب الوفاء ببيعة الخليفة، الأول فالاول، حديث: 1844. [2] صحيح البخاري، الصلح، باب اذا اصطلحوا على صلح جور فالصلح مردود، حديث: 2697.

میت کے ساتھ قرآن کی آیات رکھنا

جب کوئی شخص فوت ہو جاتا ہے تو اس پر ایک چادر دی جاتی ہے۔ اس پر قرآن کی آیات وغیرہ لکھی ہوتی ہیں۔ اس چادر کو میت کے ساتھ ہی قبر میں دفن کر دیا جاتا ہے۔ بعض اوقات کچھ لوگ الگ سے قرآنی آیات لکھ کر میت کے ساتھ رکھ دیتے ہیں۔

اس عمل سے ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ جب قبر میں میت سے سوالات کیے جائیں تو وہ شخص سوالات کے جوابات دینے میں ثابت قدم رہے۔ شرعی نقطہ نظر سے اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ قبر میں سوالوں کا جواب دیتے ہوئے وہی شخص ثابت قدم رہ پائے گا جس نے اپنی دنیا کی زندگی ایمان اور عقیدہ توحید کے مطابق گزاری ہوگی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ فِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَ يُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ ۙ وَ يَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ۝ ﴾

"اللہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے، پختہ بات کے ساتھ خوب قائم رکھتا ہے، دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں بھی اور اللہ ظالموں کو گمراہ کر دیتا ہے اور اللہ کرتا ہے جو چاہتا ہے۔"[1]

تدفین کے وقت قرآن پڑھنا

تدفین کے وقت سورہ یٰسین یا کسی اور سورت کی تلاوت کرنا بھی ایک غیر شرعی عمل ہے۔ قرآن و حدیث سے تدفین کے دوران سورہ یٰسین یا قرآن کی کسی اور سورت کی تلاوت کرنا

[1] ابراھیم 27:14

ثابت نہیں۔ سورہ یٰسین پڑھنے کے بارے میں مسند احمد اور ابوداؤد وغیرہ کی ایک روایت بیان کی جاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اقْرَءُوْا يٰسٓ عَلٰى مَوْتَاكُمْ»

''تم اپنے مُردوں پر سورۂ یٰسین پڑھا کرو۔'' [1]

اس روایت میں سخت قسم کا ضعف پایا جاتا ہے۔ علامہ البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اس روایت کی سند کے راوی ''مجہول'' ہیں۔ [2]

تدفین کے موقع پر صحیح احادیث سے جو عمل ہمیں ملتا ہے وہ دعا کا پڑھنا ہے۔ آپ ﷺ نے میت کو قبر میں اتارتے ہوئے درج ذیل دعا پڑھی:

«بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلٰى سُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ» [3]

اسی طرح تدفین کے بعد آپ ﷺ نے میت کی ثابت قدمی کے لیے دعا کرنے کی تعلیم دی ہے نہ کہ سورہ یٰسین یا کسی اور سورت کی تلاوت کی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں بھی نہیں ملتا کہ کسی صحابی نے تدفین کے موقع پر یہ عمل کیا ہو۔

قبر پر قرآن پڑھنا

ایصالِ ثواب کی خاطر قبر پر جا کر قرآن پڑھنا، خصوصاً شعبان کی پندرھویں رات اور دس محرم کو اہل خانہ کا قبرستان جا کر اپنے کسی عزیز رشتہ دار کی قبر پر قرآن کی تلاوت کرنا، ایک غیر شرعی اور بدعی عمل ہے۔ نبی ﷺ کے عمل سے یہ تو پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ نے

[1] سنن ابی داود، الجنائز، باب القراءة عند الميت: 3121، ومسند احمد: 26/5. [2] مشكاة المصابيح، باب ما يقال عند من حضره الموت، حديث: 1622. [3] سنن أبي داود، الجنائز، باب في الدعاء للميت اذا وضع في قبره، حديث: 3213.

قبرستان میں جا کر مُردوں کے لیے دعائے مغفرت فرمائی۔ اس بات کا ثبوت کہیں نہیں ملتا کہ آپ ﷺ نے کسی صحابی کی قبر پر جا کر تلاوت فرمائی ہو۔

قرآن وحدیث کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ قبر پر جا کر قرآن کریم کی تلاوت ایک ممنوع عمل ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«اجْعَلُوا فِي بُيُوتِكُمْ مِنْ صَلَاتِكُمْ وَلَا تَتَّخِذُوْهَا قُبُورًا»

''اپنی نماز کا کچھ حصہ اپنے گھروں میں پڑھا کرو اور اپنے گھر کو قبرستان نہ بناؤ۔''[1]

مذکورہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ قرأت قرآن کا محل گھر ہیں نہ کہ قبرستان۔ نبی ﷺ نے اُس گھر کو قبرستان سے تشبیہ دی ہے جہاں قرآن کی تلاوت نہ کی جاتی ہو۔ گویا کہ قبرستان میں قرآن پڑھنا ناجائز وممنوع ہے۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے ''احکام الجنائز، ص:241 میں اس بارے میں مفصل بحث کی ہے جو متلاشیانِ حق کے لیے بہت مفید ہے۔

قرآن خوانی

برصغیر پاک وہند میں ایصالِ ثواب کے نام پر گھڑی جانے والی رسوم میں سے ایک رسم ''قرآن خوانی'' ہے۔ ہمارے موجودہ معاشرے میں یہ رسم ''دیمک'' کی طرح گھر گھر میں پائی جاتی ہے، بہت کم گھرانے اس بدعت سے محفوظ ہیں۔ ہوتا یوں ہے کہ کسی مدرسے کے طالبعلموں کو گھر میں بلا کر قرآن کی تلاوت کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ اس وقت خوب رنگا رنگ کھانوں کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ اس محفل کے اختتام پر ان طالب علموں کو خوب ہدایا اور نذرانوں سے بھی نوازا جاتا ہے۔ اس وقت پڑھا ہوا قرآن میت کو بخش دیا جاتا ہے۔ اس

[1] صحيح البخاري، الصلاة، باب كراهية الصلاة في المقابر، حديث: 432.

کی ایک دوسری صورت یہ ہے کہ محلے کی خواتین کو بلا کر ''قرآن خوانی'' کی جاتی ہے اور ان کی طرف سے اس کا ثواب میت کو بخشا جاتا ہے۔ ایصالِ ثواب کی خاطر قرآن خوانی کا یہ طریقہ سراسر شریعت کے مخالف ہے۔ جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

«كُنَّا نَعُدُّ الْاِجْتِمَاعَ اِلٰى اَهْلِ الْمَيِّتِ وَصَنِيعَةِ الطَّعَامِ بَعْدَ دَفْنِهِ مِنَ النِّيَاحَةِ»

''ہم دفن کے بعد اہل میت کے پاس جمع ہونے اور کھانا تیار کرنے کو نوحہ شمار کیا کرتے تھے۔''[1] امام نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

«أَنَّ قِرَاءَةَ الْقُرْاٰنِ لَا يَصِلُهُ ثَوَابُهَا»

''قرآن کی قراءت کا ثواب میت کو نہیں پہنچتا۔''[2]

حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ مروجہ قرآن خوانی کی قباحت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''یہ رسم قوم کو بے عمل اور بد عمل بنانے کا ایک بہت بڑا سبب ہے۔ جب ایک شخص کا یہ عقیدہ ہو کہ میرے مرنے کے بعد لوگ مجھے قرآن پڑھ پڑھ کر بخشیں گے جس سے میری کوتاہیوں کی تلافی اور میری نجات ہو جائے گی تو ظاہر بات ہے وہ زندگی میں احکام و فرائض اسلام کی پابندی کو ضروری نہیں سمجھے گا، ساری زندگی قرآنی اصولوں کے خلاف گزارے گا۔ نماز، روزوں کا اہتمام اور اسلام کے حلال و حرام کے درمیان تمیز ہی نہیں کرے گا۔''[3] اسی طرح محترم حافظ صاحب حفظہ اللہ نے مزید قباحتیں بھی ذکر کی ہیں جن کا مطالعہ افادہ سے خالی نہیں۔

[1] مسند احمد: 204/2، سنن ابن ماجہ، الجنائز، باب ما جاء فی النہی عن الاجتماع الی اہل المیت وصنعۃ الطعام، حدیث: 1612. [2] دیکھیے، فتاوی الدین الخالص: 443/7.

[3] جنازے کے احکام و مسائل، زیر طبع.

مروجہ قرآن خوانی کے متعلق سعودیہ کی فتویٰ کمیٹی (اللجنة الدائمة للبحوث العلمية ولإفتاء) کا ایک فتویٰ بھی شائع ہوا ہے۔ اس فتوے میں مروجہ قرآن خوانی کا شریعت کے مخالف اور ناجائز ہونا ثابت کیا گیا ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ کے فرمان:

«مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ فَلْيَسْأَلِ اللّٰهَ بِهِ، فَإِنَّهُ سَيَجِئُ اَقْوَامٌ يَقْرَءُوْنَ الْقُرْآنَ يَسْأَلُوْنَ بِهِ النَّاسَ»[1]

کی روشنی میں طالب علموں اور ان کے "استادوں" کو دیے جانے والے ہدایا اور نذرانوں کا حرام ہونا ثابت کیا گیا ہے۔[2]

چراغ جلانا

قبر پر چراغ جلانا ایک فضول اور بے معنی رسم ہے جو فقط جہل پر مبنی اختراع ہے۔ جس طرح نقلی طور پر یہ صحیح اور درست نہیں ہے ایسے ہی عقلی طور پر بھی ایک جاہلانہ رسم ہے۔ قبر میں مدفون شخص کو اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ یہ ایک ایسی رسم ہے جو عبادت کے طور پر لوگوں میں چل نکلی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علماء نے اس عمل کو مجوس کی مشابہت کی وجہ سے ناجائز اور بدعت کہا ہے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَا تُتْبَعُ الْجِنَازَةُ بِنَارٍ وَلَا صَوْتٍ»

"جنازہ کے ساتھ نہ آگ کو لے جایا جائے اور نہ ہی آواز بلند ہو۔"[3]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے اہل خانہ کو یہ وصیت کرتے تھے کہ ہمارے جنازے کے ساتھ

[1] جامع الترمذي، فضائل القرآن، باب من قرأ القرآن فليسأل الله به ......، حديث: 2917.

[2] فتاوىٰ اللجنة الدائمة: 40/9. [3] مسند أحمد: 426/2.

آگ لے کر نہ جانا۔ [1]

علامہ البانی رحمہ اللہ اس عمل کے بدعت ہونے کے متعلق لکھتے ہیں: ''جو لوگ قبروں پر چراغ جلاتے ہیں ان کا مقصد تقرب الٰہی ہوتا ہے۔ ان کا یہ مقصد ہرگز نہیں ہوتا کہ چراغوں کے جلانے سے قبروں کی زیارت کرنے والے کو کوئی فائدہ ہوگا کیونکہ یہ لوگ تو اس وقت بھی چراغ جلاتے ہیں جب سورج نصف النہار پر ہوتا ہے۔ پس لوگوں کے اس نظریے اور عقیدے کی بنا پر یہ عمل بدعت ہے۔'' [2]

قل، تیجا، ساتواں وغیرہ

ایصالِ ثواب کی خاطر مروج رسوم میں سے بعض ایسی رسوم ہیں جن کا پورا کرنا فرض سمجھ لیا گیا ہے۔ چاہے کوئی شخص جتنا بھی غریب کیوں نہ ہو وہ ان رسوم کو ادا کرنا لازمی اور ضروری سمجھتا ہے۔ اگر کوئی شخص ان رسوم کو ادا نہ کرے تو مولوی صاحب میت کو بخشوانے کا جھانسہ دے کر اہل خانہ کو اس پر مجبور کرتے ہیں کہ وہ کہیں سے قرض پکڑ کر ان رسوم کو ادا کریں۔ قل، تیجا، ساتواں، دسواں اور چالیسواں وغیرہ ایسی رسوم ہیں جو لوگوں نے خود ہی اپنے اوپر فرض کر لی ہیں جبکہ شریعت سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

سعودی فتویٰ کمیٹی نے ''رسم چہلم'' کے متعلق ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے لکھا ہے: ''رسم چہلم منانا فرعونیوں کی رسم ہے۔ اسلام سے قبل فرعونی یہ رسم منایا کرتے تھے اور پھر ان سے دیگر قوموں میں یہ رسم پھیل کر عام ہو گئی، لہٰذا یہ ایک بہت بری بدعت ہے۔ اسلام میں اس کا کوئی تصور نہیں، چنانچہ نبی ﷺ کے اس ارشادِ گرامی سے اس کی تردید ثابت ہوتی ہے:

[1] مسند احمد: 474/2. [2] احکام الجنائز، ص: 294.

«مَنْ اَحْدَثَ فِی اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ فِيهِ فَهُوَ رَدٌّ»

''جس نے ہمارے اس دین میں کوئی ایسی نئی بات ایجاد کر لی جو اس میں سے نہ ہو تو وہ مردود ہے۔'' [1]

فضیلۃ الشیخ عطاء اللہ ساجد ﷾ ''سنن ابن ماجہ'' میں فوائد و مسائل ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''فوت شدہ بزرگوں کے لیے دعا کا کوئی مخصوص وقت یا مخصوص طریقہ نہیں۔ قل، دسواں، چالیسواں، برسی وغیرہ محض رسمیں ہیں جو ہندوؤں کی نقل میں مسلمانوں نے اختیار کر لی ہیں، شرعی طور پر ان کا کوئی ثبوت نہیں، لہٰذا ان پر ثواب کی امید بھی نہیں رکھی جا سکتی۔ [2]

مجلس عزا اور محفل میلاد و نعت

مجلس عزا اور محفل میلاد و نعت وغیرہ بھی ایصالِ ثواب کے نام پر مروج بدعات میں سے ہیں۔ حافظ صلاح الدین یوسف ﷾ ان مجالس و محافل کے بارے میں لکھتے ہیں: ''ایصالِ ثواب کی ایک صورت شیعہ حضرات میں رائج ہے اور اس کا بڑا اہتمام کیا جاتا ہے اور وہ ہے مجلس عزا۔ میت کے ایصالِ ثواب کے لیے کسی ذاکر کو بلا کر مصائب اہل بیت اور مثالب صحابہ کرام پر تقریر ہوتی ہے اور حاضرین کو لنگر کھلا کر سمجھ لیا جاتا ہے کہ مرنے والے کی بخشش کا سامان کر لیا گیا ہے۔

انھی کی دیکھا دیکھی بدعت پسند اہل سنت کہلانے والے، جن کو بریلوی کہا جاتا ہے، محفل میلاد یا محفل نعت کے نام سے اجتماع کرتے ہیں اور یہ سلسلہ اب روز افزوں ہے۔

---

[1] صحیح البخاری، الصلح، باب اذا اصطلحوا علی صلح جور فالصلح مردود، حدیث: 2697، فتاوٰی اسلامیہ: 90/2. [2] سنن ابن ماجہ، ج:1، ص: 279، مطبوعہ دارالسلام۔

بعض حضرات ''ختم چہلم'' کے موقع پر ایسا کرتے ہیں اور بعض اس سے آگے پیچھے اس قسم کی محفلیں کر کے اس کو میت کے حق میں ایصالِ ثواب کے لیے نہایت کارگر اور تیر بہدف نسخہ سمجھتے ہیں۔ لیکن ظاہر بات ہے کہ یہ بھی ایجاد بندہ رسم ہے اور اسی کو بدعت کہا جاتا ہے جو حدیث رسول کی رو سے شر الامور (بدترین کام) ہے۔ جب بدعت پر اجر و ثواب کے بجائے گناہ ملتا ہے تو اس کے ذریعے ایصالِ ثواب کس طرح ممکن ہے۔

اس لیے ایصالِ ثواب کے نقطۂ نظر سے اہل تشیع کا مجلس عزا و محفل ماتم برپا کرنا یا اہل بدعت کا محفل میلاد یا مجلسِ نعت کا اہتمام کرنا دونوں بے فائدہ ہیں، ان سے میت کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ یہ بقول غالب ؎

دل کے بہلانے کو غالب یہ خیال اچھا ہے

کا مصداق ہیں۔''[1]

یومِ عاشوراء اور شعبان کی پندھوریں شب قبرستان جانا

یوم عاشوراء اور شعبان کی پندرھویں شب کو کثیر تعداد میں لوگ قبرستانوں کا رخ کرتے ہیں۔ خصوصاً ان ایام میں جا کر فوت شدگان کے لیے دعائیں اور ان کی طرف سے صدقہ کرتے ہیں۔ قبرستان جاتے ہوئے کھانے کی اشیاء ساتھ لے جاتے ہیں اور قبرستان میں جا کر ایصالِ ثواب کے نام پر تقسیم کرتے ہیں۔ بہت سارے لوگ ان دنوں قبروں پر پھول، چاول اور دالیں وغیرہ ڈالتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو اس طرح قبروں پر پھینک دینا، کس قدر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناقدری ہے۔ ثواب تو اس چیز کا پہنچتا ہے جس سے لوگوں کو فائدہ ہو۔ قبروں پر اشیائے خورونوش کا اس طرح پھینک دینا سراسر فضول خرچی

ہے۔اس عمل سے ثواب کی امید رکھنا محض نادانی ہے اس کے سوا اور کچھ نہیں۔ان تمام امور کا شرعی طور پر کوئی ثبوت نہیں ہے۔ہمیں یہ کہیں نہیں ملتا ہے کہ یوم عاشوراء یا شعبان کی پندرھویں شب کو قبرستان جانا مستحسن عمل ہے۔

بہت سارے لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو قبروں پر سبز ٹہنیاں لگاتے ہیں۔ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس سے میت کے عذاب میں تخفیف ہو گی۔ایسے لوگ دلیل کے طور پر نبی ﷺ کے اُس عمل کو پیش کرتے ہیں جو صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں مذکور ہے کہ نبی ﷺ نے دو قبر والوں کو عذاب ہونے کی وجہ سے ان کی قبروں پر تر و تازہ چھڑی گاڑی تھی۔ [1]

مذکورہ حدیث کے حوالے سے درج ذیل نکات قابل غور ہیں:

(ا) تمام محدثین وعلماء محققین کا اس بات پر اجماع ہے کہ یہ عمل نبی ﷺ کا خاصہ تھا۔

(ب) نبی ﷺ نے اس موقع پر نہ تو صحابہ کرام کو اس عمل کی ترغیب دلائی اور نہ ہی آپ ﷺ کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے یہ عمل کیا۔

(ج) نبی ﷺ کا یہ عمل عام نہیں تھا کہ آپ ﷺ نے دیگر قبروں پر بھی کوئی ٹہنی گاڑی ہو۔ آپ ﷺ نے صرف انھی قبروں پر یہ عمل کیا۔ان کے بارے میں آپ ﷺ کو بذریعہ وحی اطلاع دی گئی تھی کہ ان کو عذاب ہو رہا ہے، اور سبب عذاب بھی بتلا دیا گیا تھا۔

مذکورہ ان تین نکات کی روشنی میں کسی کے لیے لائق نہیں کہ وہ نبی ﷺ کے اس عمل کو دلیل بنا کر قبروں پر ٹہنیاں گاڑتا پھرے اور اس خوش فہمی میں مبتلا رہے کہ اس کے اس عمل سے مُردوں کو فائدہ پہنچتا ہے۔

لہٰذا وہ تمام اعمال جو ان دنوں قبرستان میں کیے جاتے ہیں کسی صورت بھی مُردوں کے

[1] صحيح البخاري، الأدب، باب الغيبة، حديث: 6052.

لیے سود مند نہیں ہیں۔ شرعاً یہ اعمال ناجائز اور بدعت ہیں کیونکہ شریعت سے ہمیں ان کے بارے کوئی ثبوت نہیں ملتا۔

میت کی طرف سے عمرہ کرنا

عمرہ بھی ایک مستقل عبادت ہے۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ کیا حج کی طرح عمرہ بھی میت کی طرف سے کیا جا سکتا ہے یا کہ نہیں؟ اس بارے میں حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ لکھتے ہیں: ''یہ ایک قابل غور مسئلہ ہے کہ کسی فوت شدہ شخص کے لیے ایصالِ ثواب کی نیت سے یا حج بدل کی طرح کسی زندہ شخص کی طرف سے عمرہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ حج کی بابت تو حدیث میں صراحت ہے کہ معذوری کی صورت میں حجِ بدل کی اجازت ہے، ایصالِ ثواب کی نیت سے حج کرنا بھی جائز ہے، لیکن کیا یہ دونوں صورتیں عمرہ میں بھی جائز ہیں؟ نیابت کے مذکورہ اصول کی رو سے ہمارا رجحان تو اس طرف ہی ہے کہ زندگی میں کسی کی طرف سے عمرہ کرنا صحیح نہیں ہوگا، اسی طرح کسی فوت شدہ شخص کے لیے ایصالِ ثواب کی نیت سے خالی عمرہ کرنا بھی صحیح نہیں معلوم ہوتا۔'' واللّٰہ أعلم بالصواب. [1]

میت کی طرف سے فرض نمازوں کی قضا

کسی فوت شدہ شخص کی وہ فرضی نمازیں جو کسی عذر کی بنا پر اس سے رہ گئی ہوں ان کو ادا کرنا بھی شرعاً جائز نہیں ہے۔ شیخ ابن باز رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

«لَا يَجُوزُ أَنْ تُقْضَى الصَّلَاةُ عَنِ الْمَيِّتِ، سَوَاءٌ تَرَكَتْهَا بِعُذْرٍ أَوْ بِغَيْرِ عُذْرٍ وَلَا أَنْ يُصَلِّي بِنِيَّةٍ أَنْ يَكُونَ ثَوَابُ الصَّلَاةِ لِلْمَيِّتِ، لِأَنَّ

[1] جنازے کے احکام و مسائل، زیر طبع.

الشَّرْعَ لَمْ يَرِدْ بِذٰلِكَ، وَقَد قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيسَ عَلَيهِ أَمْرُنَا فَهُوَرَدٌّ»

''میت کی طرف سے نمازوں کی قضا جائز نہیں ہے، وہ نمازیں میت نے کسی عذر کی بنا پر چھوڑی ہوں یا بغیر کسی عذر کے۔ اور میت کے ایصالِ ثواب کی خاطر نماز پڑھنا بھی درست نہیں ہے، اس لیے کہ اس بارے میں شریعت میں کوئی نص وارد نہیں ہوئی، نبی ﷺ کا فرمان ہے: جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس پر ہمارا امر نہیں تو وہ (عمل) مردود ہے۔'' [1]

[1] صحيح مسلم، الأقضية، باب نقض الأحكام الباطلة......، حديث: (18) 1718، فتاوىٰ اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والافتاء، 65/9.

وہ امور جن سے میت کو نقصان پہنچتا ہے

بعض امور ایسے ہیں جن کی وجہ سے میت کو نقصان پہنچتا ہے۔ان اعمال سے اس کے عذاب میں مسلسل اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ یہ بڑا ہولناک اور ہیبت ناک معاملہ ہے کہ ایک آدمی اس دنیا سے تو رخصت ہو جائے مگر پھر بھی بعض امور کی وجہ سے اس کے عذاب میں اضافہ ہوتا رہے۔ اس لیے ہر شخص کو اس بارے میں غور و فکر کرنا چاہیے، وہ اپنے پیچھے ایسے آثار چھوڑے جن کی وجہ سے اس کے درجات میں اضافہ ہوتا رہے۔

ذیل میں ہم ان امور کو ذکر کرتے ہیں جن کی وجہ سے میت کے غم اور پریشانی میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

نوحہ کرنا

کسی شخص کے فوت ہونے پر اس کے اہل خانہ کا نوحہ کرنا میت کے لیے نقصان کا سبب ہے۔رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«إِنَّ الْمَيِّتَ لَيُعَذَّبُ بِبُكَاءِ أَهْلِهِ عَلَيْهِ»

”بے شک میت کے اہل خانہ کے بعض رونے کی وجہ سے میت کو عذاب ہوتا ہے۔“ [1]

[1] صحيح البخاري، الجنائز، باب قول النبي ﷺ: يعذب الميت ببعض بكاء اهله عليه......، حديث: 1286.

اس بارے میں علماء کے مختلف اقوال ہیں کہ اہل خانہ کے رونے کی وجہ سے ہر صورت میں میت کو عذاب ہوتا ہے یا بعض صورتوں میں۔ علامہ البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''اس بارے میں علماء کے آٹھ اقوال ہیں، مگر ان میں سے اقرب الی الصواب دو قول ہیں۔ (پہلا قول ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں): جمہور کا قول یہ ہے کہ اس حدیث کو اس پر محمول کیا جائے گا کہ جس شخص نے اپنی وفات پر نوحہ کرنے کی وصیت کی ہو اس کو عذاب ہوگا، یا پھر وہ شخص جانتا تھا کہ لوگ اس کی وفات پر نوحہ کریں گے لیکن اس نے لوگوں کو منع نہیں کیا۔ اسی وجہ سے عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر وہ شخص اپنی زندگی میں ان کو منع کرتا تھا مگر لوگوں نے اس کے باوجود بھی نوحہ کیا تو ان کے نوحہ کرنے سے اس کا کوئی نقصان نہیں ہوگا۔''[1]

فضیلۃ الشیخ امین اللہ پشاوری حفظہ اللہ نے بھی اسی سے ملتی جلتی بحث ذکر کی ہے۔[2]

مذکورہ حدیث پر امام بخاری رحمہ اللہ نے جو باب قائم کیا ہے اس سے امام بخاری رحمہ اللہ کا موقف بھی یہی سامنے آتا ہے جس کی علامہ البانی رحمہ اللہ نے وضاحت کی ہے۔

برے طریقے کی ایجاد

اگر کوئی شخص ایسا طریقہ ایجاد کر جاتا ہے جو شرعاً ناجائز اور حرام ہو، اور وہ طریقہ اس کی وفات کے بعد بھی جاری وساری رہتا ہے تو یہ شخص بھی اس کے گناہ میں برابر کا شریک ہوگا، مثلاً: اگر کوئی شخص جو گھر کا سربراہ ہو، معاشرے میں رائج کسی بدعت کو گھر میں رائج کرتا ہے، اس کے اہل خانہ اس کے بعد اس بدعت کو جاری رکھتے ہیں، جتنا گناہ ان کو کرنے کا ہوگا اتنا ہی اس بدعت کو رائج کرنے والے کو ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«مَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً سَيِّئَةً، كَانَ عَلَيْهِ وِزْرُهَا وَوِزْرُ مَنْ عَمِلَ

[1] احکام الجنائز، ص: 41. [2] فتاویٰ الدین الخالص، ج: 7، ص: 436.

بِهَا مِنْ بَعْدِهِ، مِنْ غَيْرِ أَنْ يَنْقُصَ مِنْ أَوْزَارِهِمْ شَيْئٌ»

''جس نے اسلام میں کوئی برا طریقہ ایجاد کیا، اس شخص پر اس کا بھی گناہ ہوگا اور ہر اس شخص کا بھی جس نے اس کے بعد اس پر عمل کیا، اور ان کے گناہ میں سے کچھ کم بھی نہیں کیا جائے گا۔''[1]

اس کی مزید وضاحت صحیح بخاری کی ایک روایت سے ہوتی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت تک جتنے بھی لوگ ناحق قتل ہوں گے آدم علیہ السلام کے بیٹے قابیل کو بھی اس کا گناہ ہوگا کیونکہ قتل کے اس طریقے کو اس نے ایجاد کیا تھا۔''[2]

مذکورہ احادیث کی روشنی میں ہر شخص کو اپنی زندگی میں عمل کرتے ہوئے یہ سوچنا چاہیے کہ وہ کوئی ایسا عمل نہ کر بیٹھے جس کے کرنے پر اس کے عذاب میں اضافہ ہوتا رہے۔ ہمیشہ ایسے اعمال کرنے چاہییں جو درجات میں بلندی کا سبب ہوں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ایسے عمل کرنے کی توفیق دے جو ہمارے لیے صدقہ جاریہ اور جنت میں درجات کی بلندی کا سبب ہوں، آمین۔

[1] صحيح مسلم، الزكاة، باب الحث على الصدقة ولو بشق تمرة......، حديث: 1017.

[2] صحيح البخاري، احاديث الانبياء، باب خلق آدم وذريته، حديث3335.

ہندومت میں ایصالِ ثواب

ابتدا میں ہم نے عرض کیا تھا کہ بحث کے اختتام پر ہندوؤں اور مسلمانوں کے مابین پائی جانے والی مشترکہ رسومات کو ذکر کیا جائے گا۔ ایسی رسومات جو ایصال ثواب کے نام پر مسلمانوں میں رائج ہیں مگر خالصتاً ہندو مذہب سے لی گئی ہیں۔ دین اسلام سے ان رسومات کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

اس حوالے سے ہم بہتر سمجھتے ہیں کہ اس بحث کو ذکر کردیں جو مولانا عبیداللہ مالیر کوٹلوی نے اپنی کتاب ''تحفۃ الہند'' میں کی ہے۔ اگرچہ مولانا صاحب نے اس بحث کو مفصل بیان کیا ہے مگر ہم اس کو اختصار کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔ اس بحث پر مولانا عبیداللہ صاحب نے ''ایصالِ ثواب'' کے نام سے فصل قائم کی ہے۔ مولانا صاحب لکھتے ہیں:

''حقیقت میں یہ ثواب پہنچانا مُردوں کے ساتھ ایک مروءت ہے۔ یہ درست نہیں کہ ان سے ڈر کر یا ان سے حاجت براری کی امید رکھ کر ان کو ثواب پہنچائیں۔ یہ بھی نہیں کہ مردے کوئی غیب دان ہیں، نہ ہی ثواب پہنچانے کے وقت ان کی روح حاضر ہو جاتی ہے بلکہ جہاں ان کی روح ہوتی ہے اس کا ثواب ان کو وہیں پہنچ جاتا ہے۔ یہ ثواب پہنچانا کوئی فرض یا واجب نہیں ہوتا کہ قرض لے کر بھی کسی کی روح کو ثواب پہنچائیں بلکہ قرض لے کر

کسی کو ثواب پہنچانا بہتر نہیں۔ بہتر یہ ہے کہ اپنے بچوں کے خرچ سے جو زائد ہو اس میں سے خیرات کر کے اس کا ثواب پہنچائے۔ ثواب پہنچانے کے لیے جو کھانا تیار کیا جائے اس کے لیے نئے برتن لگانے ضروری نہیں۔ بلکہ جو برتن ہمیشہ استعمال میں آتے ہیں وہی کافی ہیں۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ اس کھانے پر کچھ پڑھا جائے تب اس کا ثواب پہنچے گا بلکہ نیت ہی کافی ہے۔ اس کے ساتھ پانی رکھنا بھی ضروری نہیں۔ ثواب پہنچانے سے پہلے اگر کوئی اس کھانے میں سے کھالے تو درست ہے منع نہیں۔

ہندوؤں کے مذہب میں ثواب پہنچانے کا یہ طریقہ ہے کہ جس چیز یعنی کھانا کپڑا وغیرہ کا ثواب پہنچانا ہو تو اس کا سن کلپ (یعنی نیت) یوں کرے کہ ثواب پہنچانے والا دائیں ہاتھ میں پانی لے کر شاستری زبان میں یہ کہے کہ آج فلاں مہینہ فلاں تاریخ فلاں دن ہے تو میں فلاں شخص فلاں چیز فلاں شخص (یعنی مردہ) کے لیے صدقہ کرتا ہوں۔ پھر اس پانی کو زمین پر ڈال دے۔ اگرچہ ان کے نزدیک ثواب پہنچانا ہر روز درست ہے مگر بعض دن بھی مقرر کرنے ضروری سمجھتے ہیں۔ اسی لیے ان کے ہاں ایک دن ''کریا کرم'' کے لیے مقرر ہے۔ ان کے مطابق مردے کے مرنے سے اس دن تک اس کا ایک بدن عالم برزخ میں تیار ہوتا ہے اور جزا و سزا کے قابل ہوتا ہے۔ اس لیے اس دن کا نام کریا کرم رکھا ہے کیونکہ شاشتری زبان میں کریا بدن کو اور کرم عمل کو کہتے ہیں۔ یعنی اس مردے کا کوئی قریبی رشتہ دار شاستر کے مطابق مرنے کے دن سے اس دن تک ایسے عمل بجالائے جن کے سبب سے اس مردہ کا بدن تیار ہو۔ پھر اس دن اس مردہ کے لیے کچھ عمل کیا جائے۔ اس عمل کا نام ''کریا کرم'' ہے، یعنی بدن کا عمل۔ اس روز اس کریا کے لیے یہ کرم کرتے ہیں کہ اس مردے کے نام پر اپنی طاقت کے مطابق کھانا، پوشاک، پلنگ، توشک، لحاف، زیور، برتن،

چھتری، گھوڑا وغیرہ عمدہ اسباب مہا برہمن کو دیتے ہیں اور اعتقاد رکھتے ہیں کہ سب کچھ مردے کو پہنچتا ہے۔ اس روز اور بھی بہت سا بکھیڑا کرتے ہیں۔ مہابرہمن وہ برہمن ہیں جس کو مردوں کے نام کا صدقہ دیتے ہیں۔ برہمن کے کریا کرم کے لیے اس کے مرنے کے بعد گیارھواں دن، کھتری کے لیے تیرھواں دن، ویش یعنی بنئے وغیرہ کے لیے پندرھواں یا سولھواں دن، شودر یعنی بالڈھی وغیرہ کے لیے تیسواں یا اکتیسواں دن مقرر ہے۔ ان کے علاوہ ایک چھ ماہی یعنی مرنے کے چھ ماہ بعد اور ایک سال بعد برسی کا دن مقرر ہے۔ اس روز گائے کو بھی کھانا کھلاتے ہیں۔ مردے کے مرنے کے چار سال بعد ایک دن سُدّ ھ کا مقرر ہے۔ ہر سال اَسُوج کے مہینے کے نصف اول میں بھی اپنے بزرگوں کو ثواب پہنچاتے ہیں۔ جس تاریخ کو کوئی مرے اس تاریخ میں ثواب پہنچانا ضروری سمجھتے ہیں۔ کھانے کے ثواب پہنچانے کا نام ''سَرَادہ'' ہے۔ جب سرادہ کا کھانا تیار ہو جائے تو پہلے اس پر پنڈت کو بلا کر کچھ وید پڑھواتے ہیں۔ جو پنڈت اس کھانے پر وید پڑھتا ہے وہ ان کی زبان میں ''اُبھشَرمَن'' کہلاتا ہے۔ اور اسی طرح اور بھی دن مقرر ہیں۔ جب اپنے معبودوں کی روح کے لیے کچھ کرتے ہیں تو وہاں ثواب پہنچانے کی نیت تو ہوتی نہیں بلکہ ان سے ڈر کر، کچھ نفع کی امید رکھ کر، نذر و منت کے لیے ان کی بھینٹ چڑھا دیتے ہیں اور ان کے لیے بھی دن مقرر ہیں۔

جس دن ان کے کسی مردے یا معبود کے نام پر کھانا تیار ہوتا ہے اس دن جب تک برہمن نہ کھالے تب تک اس کھانے میں سے کسی دوسرے کو کھلانا درست نہیں سمجھتے اگرچہ لڑکے بالے بھوک کے عذاب میں گرفتار رہیں لیکن اس میں سے ان کو نہیں کھلاتے۔

ایسے ہی بعض مسلمانوں نے ثواب پہنچانے کے لیے دن مقرر کر لیے ہیں۔ جیسے مردہ

کی سوئم کو "قل" کہتے ہیں اور "چہلم" جس میں پلنگ بچھا کر اور طرح طرح کے کھانے رکھ کر اعتقاد رکھتے ہیں کہ مردے کی روح یہاں آتی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس دن روح گھر سے نکلتی ہے۔ چھ ماہی اور برسی مناتے ہیں۔ علی ہجویری کی فاتحہ سوائے گیارھویں اور سترھویں کے اور کسی دن میں نہیں کرتے۔

بعض دنوں کے لیے بعض کھانے مقرر کر رکھے ہیں۔ ہندوؤں کی رسم ہے کہ دوسہرہ کو دہی اور خشکہ، دیوالی کو شیرینی، منگل اور اتوار کے دن برت یعنی روزے میں میٹھا۔ اور گوگے پیر کی نومی کو سویاں۔ اسی طرح مسلمانوں نے بھی مقرر کر لیے ہیں کہ شب برات کو حلوا، محرم کو حلیم اور شربت، عید کو سویاں، مخدوم جہانیاں کے روزے میں میٹھی روٹیاں وغیرہ۔ ان کے علاوہ بھی ایسی ہی قیدیں لگا رکھی ہیں۔ بعض مسلمان بزرگوں کو اس امید پر نیاز دیتے ہیں کہ وہ ہمارے رزق یا اولاد میں ترقی دیں گے یا کوئی مراد پوری کریں گے اور اگر ہم ان کی نیاز نہ دیں گے تو ڈرتے ہیں کہ ہمارا کچھ نقصان کر دیں گے۔ بعض لوگ ثواب پہنچانے کو فرض کی طرح ضروری سمجھتے ہیں۔ اگر کوئی گیارھویں وغیرہ کا دن نہ کرے تو اسے طعنے دیتے ہیں۔ بعض لوگ نیاز وغیرہ کے دن نئے برتن لگانا ضروری سمجھتے ہیں۔ جس طرح ہندو سرادہ کے دن کھانے پر اُبھشرُ مَنْ سے منتر پڑھواتے ہیں اسی طرح مسلمان بھی "ملاں" کو بلا کر ختم دلاتے ہیں۔ جب تک "ملاں" اس پر ختم نہ پڑھ لے تب تک اس میں سے کسی کو کھانے نہیں دیتے۔ جس طرح ہندو "سن کلپ" کرتے وقت دائیں ہاتھ میں پانی لیتے ہیں اسی طرح مسلمان بھی ختم کے وقت کھانے کے ساتھ پانی کا پیالہ رکھنا ضروری سمجھتے ہیں۔ جس طرح ہندو اپنے بزرگوں کو پانی دیتے ہیں اسی طرح مسلمان محرم میں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی روح کے لیے پانی کی مشکیں زمین پر بہاتے ہیں۔ جیسے ہندو دیوتاؤں کے

نام پر گھی وغیرہ آگ میں جلا کر اس کا نام ''ہوم'' رکھتے ہیں اسی طرح مسلمان اپنے بزرگوں کے لیے ہزار ہا چراغ روشن کر کے، اس میں دھڑیوں اور منوں تیل جلا کر اللہ تعالیٰ کی نعمت کو ضائع کرتے ہیں اور اس کا نام روشنی رکھتے ہیں۔ بعض لوگ ختم کے وقت اس اعتقاد سے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں کہ بزرگوں کی ارواح یہاں حاضر ناظر ہیں، بعض ختم کے وقت چراغ بھی روشن کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ مسلمانوں میں اس قسم کی بہت سی ایسی رسوم رواج پا رہی ہیں جس کی تفصیل دراز ہے۔ بے سمجھ لوگوں نے ہندوؤں کی نقل میں یہ باتیں اپنائی ہیں۔ ہمارے دین میں دوسرے دین والوں کی رسوم مخصوصہ میں نقل کرنی منع ہے۔ یہاں تک کہ ہندوؤں کے تہواروں، مثلاً: ہولی، دیوالی اور دسہرہ وغیرہ میں سیر کے لیے شامل ہونا بھی حرام ہے کیونکہ جناب رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے،

«مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ»

''جس نے ریس کی کسی قوم کی وہ ان ہی میں سے ہے۔'' [1]

جو رسوم باطلہ مذکور ہوئی ہیں ہمارے دین میں ان کی کوئی اصل نہیں۔ اس لیے ہم لوگ ان رسوم کو بدعات اور ہندوؤں کی مشابہت میں شمار کرتے ہیں۔ ان میں سے بعض مکروہ ہیں، بعض حرام اور بعض شرک۔'' [2]

اہل علم سے گزارش

''ایصال ثواب: جائز اور ناجائز صورتیں'' کے حوالے سے ہماری گفتگو اللہ تعالیٰ کی توفیق سے تکمیل کو پہنچی ہے۔ اس کتابچے میں اگر کوئی خوبی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے

[1] سنن أبي داود، اللباس، باب في لبس الشهرة، حديث:4031. [2] ماخوذ از: تحفة الهند، مولانا عبيد الله ماليركوٹلوی.

ہے اور اگر کوئی کمی یا کوتاہی ہے تو وہ اس بندۂ عاجز کی کم علمی کی بنیاد پر ہے۔

اہل علم حضرات سے گزارش ہے کہ اگر آپ اس کتابچے میں کوئی کمی یا کوتاہی محسوس کریں تو ہمیں ضرور اس سے آگاہ کریں، بندۂ عاجز اس پر آپ کا شکر گزار ہوگا۔ اور اگر آپ کوئی خوبی محسوس کریں تو آپ کی طرف سے تحسین کے کلمات یقیناً میرے اور ناشرین کے لیے باعث مسرت اور حوصلہ افزائی کا سبب ہوں گے۔ فجزاکم اللّٰہ احسن الجزاء.

حافظ شبیر صدیق ادارہ دارالسلام کے ریسرچ فیلو ہیں، آپ کے مضامین دارالسلام کے زیر اہتمام شائع ہونے والے ماہنامہ ''ضیائے حدیث'' اور دیگر جماعتی رسائل و جرائد میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔

زیر نظر مقالہ۔ ایصال ثواب، جائز اور ناجائز صورتیں۔ انھی فاضل نوجوان کا تحریر کردہ ہے جو اس سے قبل ''ضیائے حدیث'' میں شائع ہو چکا ہے۔

اب افادۂ عام کی غرض سے اسے کتابی شکل میں شائع کیا جا رہا ہے تا کہ اس کا دائرۂ افادیت عام اور وسیع ہو جائے۔

فاضل مضمون نگار نے ان رسوماتِ غیر شرعیہ کا جائزہ لے کر ان کا بے ثبوت ہونا اور غیروں کی نقالی پر مبنی ہونے کا اثبات کیا ہے اور اس کے ساتھ تصویر کا دوسرا پہلو یعنی ایصال ثواب کی جائز صورتوں کی تفصیل بھی بیان کر دی ہے تا کہ ناجائز صورتوں کو چھوڑ کر ایصالِ ثواب کی صرف جائز صورتیں ہی اختیار کی جائیں، کیونکہ فوت شدگان کو ایصالِ ثواب جائز صورتوں ہی کے ذریعے سے ممکن ہے، ناجائز صورتیں تو صرف زندوں کی لذت اندوزی کا سامان ہے اور بس، مُردوں کے نفع اور ان کی مغفرت کا ان میں کوئی پہلو نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ فاضل مؤلف کی اس کاوش کو قبول فرمائے اور اسے لوگوں کی اصلاح کا ذریعہ بنائے اور ناشرین کو بھی اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے جو اس کو عام لوگوں تک پہنچانے کا ذریعہ بنے۔ اللہ تعالیٰ سب کی کوششیں قبول فرمائے اور اس کتاب کو گم گشتگانِ بادیۂ ضلالت کے لیے ہدایت کا باعث بنائے۔ آمین۔

مدیر: شعبۂ تحقیق وتالیف دارالسلام لاہور

ذوالقعدہ 1433ھ، ستمبر 2012ء

مسلم پبلی کیشنز: 12 عثمان غنی روڈ، سنت نگر، لاہور

0321-4259678 042-37249678

muslimpublications@gmail.com